تحقیق و تنقید

معیشت نبوی ——— مکی عہد میں

——— ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

معاش نبوی کے بارے میں بالعموم دو نقطۂ نظر سامنے آتے ہیں لیکن دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی نتیجہ پر اتفاق ہے۔ ایک نظریہ مستشرقین اور ان کے پیروکار و شاگرد جدید مؤرخین کا ہے جس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک کمزور معاشی طبقہ سے تھا کیونکہ ان کے خیال خام میں آپ کا بنو ہاشم کے جس خاندان سے تعلق تھا وہ سماجی لحاظ سے بھی کمزور تھا۔ ان کے اس نظریہ کے پیچھے یہ خیال کارفرما ہے کہ معاشی اور اقتصادی خوشحالی نہ صرف سماجی مرتبہ و مقام کی ضامن ہوتی ہے بلکہ معاشرتی شرف و عزت کا نشان بھی ہوتی ہے"[1]۔ دوسرا نقطۂ نظر ہمارے بیشتر مسلمان اور مشرقی سیرت نگاروں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نسبی اور معاشرتی اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے فرد تھے لیکن متعدد اسباب سے جن میں آپ کی یتیمی و یسیری کو خاصی اہمیت بلکہ بنیادی حیثیت حاصل تھی آپ کی معاشی حالت بہتر نہ تھی بلکہ بعض حضرات کے ہاں کچھ ایسا تاثر پایا جاتا ہے کہ اقتصادی ابتری منشائے الٰہی کا سبب تھی۔ اس نقطۂ نظر کے پس پشت وہ راہبانہ خیال و عقیدہ کارفرما ہے کہ دولت مندی یا خوش حالی معیار تقویٰ اور میزان طہارت پر صحیح نہیں تلتی بلکہ وہاں فقر و فاقہ کا وزن اور اس کی قیمت تولی جاتی ہے"[2]۔ ان دونوں نظریات کا خالص نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حالت شروع سے دگرگوں اور کمزور تھی اور وہ چند مراحل کے سوا فقر و فاقہ کی زندگی میں ڈھلتی گئی۔ اس مختصر مضمون میں آپ کی مکی زندگی کی معاشی حالت کا تاریخی شواہد و روایات کی اساس پر ایک مختصر تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں تقریباً تمام بنیادی نکات آ گئے ہیں البتہ بہت سی تفصیلات اور تشریحات وقت و مقام کی قلت اور علم کی محدودیت کے سبب رہ گئی ہیں۔

(۱) خاندانی ترکہ :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتصادی زندگی کا جائزہ لیتے وقت پہلا اہم سوال یہ ہے کہ آپ کو اپنے والدین یا خاندان کے دوسرے بزرگوں سے کیا ترکہ/عطیہ ملا تھا؟ اس سوال کے جواب میں ابتدائی مولفین سیرت میں ابن اسحاق[۳] اور ان کے مشہور ترجامع و تلخیص نگار ابن ہشام[۴] دونوں خاموش ہیں۔ البتہ ان کی تحریروں میں منتشر طور سے کچھ ترکہ کی نشاندہی ضرور ملتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مرحوم والد سے ملا تھا۔ قدیم مؤرخین میں ابن سعد نے اپنے شیخ واقدی کی روایت بیان کی ہے کہ "عبداللہ بن عبدالمطلب نے ایک باندی ام ایمن، پانچ اراک کھانے والے اونٹ (اجمال اوارک) اور بکریوں کا ایک ریوڑ (قطعۃ غنم) چھوڑا جس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارث ہوئے"[۵] ہمارے بیشتر مؤلفین سیرت نے اسی بیان کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور بہت کم کسی نے اس موضوع پر تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے[۶] حیرت اس بنا پر زیادہ ہوتی ہے کہ مختلف ماخذ میں یہ ذکر کئی مقامات پر ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پدری ترکہ میں یہ یہ چیزیں ملی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے قرائن اور روایات بھی ملتی ہیں جن کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ والدین کی منقولہ جائداد بھی ان کی وفات کے بعد آپ کو ملی تھی۔ مثال کے طور پر ابن اسحاق کا بیان ہے کہ شادی کے بعد جناب عبداللہ نے سیدہ آمنہ کو مکان مہیا کیا اور دونوں نے ازدواجی زندگی کا آغاز کیا"[۷] ظاہر ہے کہ یہ پدری اور مادری مکان آپ کو ترکہ میں ملا تھا۔ اس قیاس کی تصدیق کئی روایات سے ہوتی ہے جو حدیث و سیرت کے ماخذ میں ملتی ہیں۔ صحاح کی کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے ترکہ میں قدیم مکان بھی ملا تھا جسے آپ کے عم زاد بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی نے اپنے زمانہ کفر میں غالباً آپ کی ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ابوسفیان بن حرب اموی کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا[۸] واقدی اور ابن سعد نے اس روایت کو بھی بیان کیا ہے مگر اس میں آپ کے مکان (منزلک) اور آپ کے استفہام کہ "عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان کہاں چھوڑا ہے" کا حوالہ ہے۔ مگر بلاذری کی روایت اور واضح ہے کہ حضرت عقیل نے اپنے حقیقی بھائی بہنوں جو مسلمان ہو کر ہجرت کر گئے تھے کے مکانات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان بھی بیچ ڈالا تھا[۹] ابن اسحاق وغیرہ کے ہاں آپ کے مکان (بیت/دار) کا

حوالہ متعدد مواقع پر آیا ہے ۔ ان کے علاوہ بعض اور مآخذ میں بھی اس کی تصریح ملتی ہے۔[۱۱]
ان تمام بیانات و روایات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کو ایک مکان ترکہ میں ملا تھا جس کے آپ مالک تھے اور غالباً اسی میں تا ہجرت قیام فرما رہے ۔

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے ضمن میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ وہ برائے تجارت گئے تھے اور قریشی قافلہ میں اہل مکہ کے کچھ لوگوں کا سامان تجارت لے کر گئے تھے ۔ واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب بیمار ہوئے اور ان کی درخواست پر ان کو کارواں کے رفقاء ان کے ننہالی رشتہ داروں بنو نجار / خزرج کے ہاں چھوڑ گئے تاکہ صحت یابی کے بعد سفر کر سکیں مگر وہ بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور جب ان کی خبر گیری کے لیے ان کے والد مکرم نے ان کے بڑے بھائی کو بھیجا تو وہ اللہ کو پیارے ہو کر مدینہ منورہ کی خاک میں مدفون ہو چکے تھے ۔ ابن ہشام اور ان کے شیخ المشائخ ابن اسحاق نے عبداللہ کے سامان تجارت کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی اتنی تفصیلات دی ہیں۔[۱۲] یہ تفصیلات واقدی کے حوالہ سے ابن سعد نے دی ہیں۔[۱۳] مؤخر الذکر نے مدینہ منورہ سے عبداللہ کے سامان تجارت لانے کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ بلاذری نے ابن سعد کی دونوں روایات اس باب میں بیان کر دی ہیں اور مختصراً وہی تفصیلات بھی ہیں لیکن عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بھائی حارث کے بھیجے جانے کی جگہ وہ دوسرے بڑے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کے بھیجے جانے کا ذکر کرتے ہیں مگر سامانِ تجارت کا وہ بھی ذکر نہیں کرتے۔[۱۴] ابن کثیر نے زیادہ تر ابن اسحاق و ابن ہشام کی پیروی کی ہے اس لیے ان کے ہاں اس قسم کی تمام معلومات غیر موجود ہیں۔[۱۵] اگرچہ عبداللہ کے سامانِ تجارت کے بارے میں ہماری تلاش و تحقیق ناقص ہے تاہم یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ اپنی وفات کے قریب جب کہ وہ پچیس سال کے تھے ایک ابھرتے ہوئے تاجر بن چکے تھے اور شامی تجارت میں حصہ لینے کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقامی تجارت کی سطح سے بلند ہو کر نوجوان تاجروں میں وہ مقام پا چکے تھے کہ اپنے سامان کے ساتھ دوسرے باشندگان و تاجرانِ مکہ کا سامان تجارت بھی شام لے جا سکیں ۔ اس بنا پر ان کو ایک خوشحال تاجر کہا جا سکتا ہے جو اگرچہ مالدار و متمول نہ تھے ۔ تاہم ان کے پیچھے ان کے متمول تاجر والد عبدالمطلب کی دولت و تجارت کا پشتہ لگا ہوا تھا ۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف ان کے آخری سفرِ تجارت کا مال اور نفع ان کے یتیم و یسیر فرزند کے حصہ میں آیا ہوگا بلکہ ان

کی تجارت سے حاصل کردہ نقد و جنس پر مشتمل کمائی بھی ملی ہوگی - اس کی تائید بعض اور روایات و قرائن سے ہوتی ہے ۔ ابن سعد و بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ کے پاس ایک تلوار بھی تھی جو آپ کو اپنے والد گرامی سے ترکہ میں ملی تھی۔ اس کا قوی قرینہ ہے کہ آپ اپنے والد / والدین سے کچھ اور اسلحے، جیسے تیر و کمان، ڈھال خود اور گھریلو ضروری سامان بھی ملے تھے۔ ان کی تفصیلات بہرحال تحقیق طلب ہیں۔[16] آئندہ بعض سرخیوں اور عنوانوں کے تحت معاش نبوی کے بعض وسائل و ذرائع کا ذکر آ رہا ہے۔ ان میں سے کسی کا ماخذ حصول اور سرچشمۂ وصول مجھے معلوم نہیں ہو سکا ۔ بعض کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ والدین و جد امجد یا مختلف چچاؤں وغیرہ کے عطایا سے آئے تھے کہ اس وقت تک آپ خود اپنے آزاد ذرائع کے ذریعہ کمانے کے قابل نہ ہوئے تھے ۔ ایسے غیر معلوم ذرائع و وسائل میں سے زیادہ قرینہ یہ ہے کہ وہ آپ کو پدری ترکہ یا والدہ کی میراث سے ملے ہیں کہ بہرحال دونوں شریف و نجیب خاندانوں سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش حال بلکہ متمول گھرانوں کے افراد تھے ۔

(۲) رضاعت نبوی :

اس عالم خاک و باد اور جہانِ اسباب و اثرات میں ورود مسعود کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے جد امجد عبد المطلب، والدۂ ماجدہ بی بی آمنہ اور متعدد چچاؤں کے کندھوں پر آ پڑی تھی اور ان سب نے قریشی روایاتِ خاندان اور عرب معیارات جود و سخا کے مطابق بخوبی انجام دیا تھا۔ روایاتِ حدیث و سیرت کا اتفاق ہے کہ آپ کی اولین رضاعت کا فریضہ آپ کی والدہ ماجدہ نے ادا فرمایا۔[17] آپ کا چچا ابولہب بن عبد المطلب جو بعد میں آپ کا دشمن جاں ثابت ہوا آپ کی پیدائش پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے نہ صرف اپنی باندی ثوبیہ کو آپ کی رضاعت پر مامور کیا بلکہ اسی خوشی میں اس کو آزادی بھی عطا کر دی۔[18] کچھ مدت کے بعد عرب دستور کے مطابق جد امجد عبد المطلب نے آپ کی رضاعت کے لیے دودھ پلائی (مراضع / رضعاء) تلاش کیں اور بالآخر یہ سعادت حضرت حلیمہ سعدیہ کے حصہ میں آئی ۔ انہوں نے دو برس کی عمر تک آپ کو نہ صرف دودھ پلایا بلکہ بہترین اور اپنے وسائل و ذرائع سے کہیں زیادہ روایتی الفت و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی ۔ یہ آپ کی محبت بے کراں اور والہانہ شیفتگی تھی کہ وہ دودھ

چھڑانے کے بعد بھی تین برس تک آپ کی پرورش و پرداخت کرتی رہیں (۱۹)۔ ترمذی میں حضرت ابوالطفیل سے مروی ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ ایک خاتون آئیں آپ نے ان کے احترام میں اپنی چادر بچھا دی۔ جب وہ چلی گئیں تو لوگوں نے بتایا کہ ان خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا (۲۰)۔ ممکن ہے کہ بعض اور مراضع اور دودھ پلائیاں رہی ہوں یا نہ رہی ہوں (۲۱)۔ یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان دودھ پلائیوں کو اجرت پر حاصل کیا گیا تھا اور ان کو اجرت کی ادائیگی کس نے کی تھی۔ اور کتنی کی تھی؟ ان کے حتمی جوابات تو نہیں مل سکے مگر یہ واضح ہے کہ آپ کی رضاعت کے اس اہم باب کی مزید تحقیق کی جائے تو حلیمہ سعدیہ کی رضاعت (۲۲) کی اجرت کا پتہ چل جائے۔ بہرحال یہ بھی اتنا ہی واضح ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ اور جد امجد نے یہ بار خوشگوار و مسرت آگیں اٹھایا تھا۔ ثوبیہ کا معاملہ بتاتا ہے کہ اس مسرت و سعادت میں آپ کے چچاؤں نے بھی حصہ لیا تھا۔ ابولہب نے تو اپنی باندی کو آزادی جیسی نعمت عطا کر دی تھی (۲۳) جب کہ عبد المطلب اور بی بی آمنہ نے بھی ان کے ساتھ اور خاص کر بی بی حلیمہ سعدیہ کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ یہاں ایک شبہہ کا ازالہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو متعدد سیرت نگاروں کی تحریروں میں دانستہ یا غیر دانستہ در آیا ہے کہ آپ کی یتیمی و یسیری کے سبب نہیں بلکہ آپ کی اس کے نتیجہ میں معاشی کمزوری کے سبب بی بی حلیمہ سعدیہ اور ان سے پہلے دوسری تمام دودھ پلائیاں آپ کی رضاعت کی سعادت حاصل کرنے سے گریزاں تھیں (۲۴)۔ ابن اسحاق و ابن ہشام اور ان کے پیروکار سیرت نگاروں کے بیانات و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب فطری طور سے نومولود کے باپ سے بہتر حسن سلوک اور عزیز تر معاوضہ کی توقع رکھتی تھیں اور بقول ابن اسحاق ان کو یہ خیال تھا کہ ماں اور دادا کیا سلوک کر سکیں گے۔ اس لیے آپ کی یتیمی ان کی راہ میں رکاوٹ اور وجہ گریز بنتی تھی (۲۵)۔ بہرحال دادا عبد المطلب اور ماں بی بی آمنہ کی خاندانی وجاہت و تمول اور سماجی قدر و منزلت نے ان کو بہتر معاوضہ کا یقین دلا دیا ہوگا اور بعد کے واقعاتِ سعادت نے ان کو دنیاوی مال و دولت سے زیادہ خیر کثیر حاصل کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا۔

(۳) کفالت والدہ ماجدہ:

بی بی حلیمہ سعدیہ کے علاقہ (بنو سعد بن بکر کے مقام توطن) سے واپسی کے بعد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدۂ ماجدہ بی بی آمنہ کی محبت بھری پرورش اور شفیق جد امجد عبدالمطلب کی لطف انگیز پرداخت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ہمارے تمام قدیم مآخذ و مصادر اور سیرت و حدیث متفقہ طور سے یہ بتاتے ہیں کہ چھ سال کی عمر شریف تک یعنی تقریباً سال سوا سال آپ والدۂ ماجدہ کے زیر پرورش رہے اور آخر میں بی بی آمنہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں تاکہ بنو عدی بن نجار کے ننہالی رشتہ داروں سے آپ کی ملاقات کرائیں اور اسی سفر کے خاتمہ پر وہ مقام ابواء پر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں اور آپ کو حضرت ام ایمن مکہ مکرمہ میں دادا کی نگہداشت و پرورش کے لیے لے کر آئیں(۲۶)۔ بعض روایات سے مدینہ منورہ کے قیام مختصر کی کچھ معمولی معلومات ملتی ہیں(۲۷) مگر سیرت نبوی کے باب میں یہ خلا ابھی تک ہماری ناقص معلومات کے سبب پایا جاتا ہے کہ آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کی کفالت کیونکر اور کن ذرائع سے کی۔ قیاس یہ ہے کہ ان کو اپنے مرحوم شوہر کے ترکہ و اثاثہ کے علاوہ اپنے میکے بالخصوص والدین کے خاندان بنو زہرہ سے بھی امداد ملی ہوگی اور ان کے سسرالی رشتہ داروں میں ان کے خسر معظم بڑے دیوروں اور ان کے اہل خاندان اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں نے بھی کافی سرگرم حصہ لیا ہوگا کیونکہ آپ ان سب کے چہیتے اور محبوب بھتیجے تھے(۲۸)۔ لیکن یہ قیاس قیاس ہی رہے گا جب تک اس کی تاریخی و روایتی طور سے شہادت و تصدیق فراہم نہیں ہوتی۔ حیرت ہے کہ ہمارے ابتدائی راویوں نے آپ کے والدین بالخصوص والدۂ ماجدہ کے بارے میں تاریخی روایات خاص کر آپ تربیت و پرورش سے متعلق حقائق محفوظ نہیں رکھے جتنے کہ انہوں نے آپ کی پیدائش وغیرہ کے سلسلہ میں معجزات و کرامات اور محیر العقول روایات محفوظ رکھی اور نقل کی ہیں(۲۹)۔ البتہ تاریخی روایات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش کے روز ہی سے آپ کے دادا نے ہر طرح آپ کی دیکھ بھال کی تھی۔

(۴) کفالت جد امجد:

والدۂ ماجدہ کے مقابلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب بن ہاشم کی کفالت نبوی کے زیادہ واقعات، روایات یا تفصیلات دستیاب ہیں۔ تقریباً تمام مآخذ حدیث و مصادر سیرت کا اتفاق ہے کہ والدۂ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ براہ راست اپنے جد امجد کی کفالت میں آ گئے، اور دو برس تک

اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ آپ کے دادا آپ سے غیر معمولی شفقت و محبت کرتے تھے۔ مسجد حرام میں سایۂ کعبہ تلے ان کے لیے مخصوص فرش لگایا جاتا۔ ان کے اجلال و اکرام میں اس پر کوئی نہ بیٹھتا۔ آپ بچپن سے جب والدۂ محترمہ زندہ ہوں گی دادا کی اس مجلس خاص میں ان کی مسند اجلال پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اور جب آپ کے چچا جو مسند خاص کے کنارے بیٹھتے تھے آپ کو منع کرتے تو شفیق دادا ان کو روکتے، اپنے فرش بلکہ اپنے زانوؤں پر محبت کی گود میں بٹھاتے اور شفقت سے آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے ابن سعد نے کئی سندوں سے نقل کیا ہے کہ والدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آپ کو اپنے گھر میں ساتھ رکھا اور آپ پر اتنی شفقت کرتے تھے کہ اتنی اولاد پر یا کسی بچے پر (ولد)، پر نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ ساتھ رکھتے اور پاس بٹھاتے، خلوت و جلوت میں ان کو آنے کی اجازت تھی حتی کہ سوتے وقت بھی آپ دادا کے پاس چلے جاتے تھے اور رہتے تھے دادا محبت سے آپ کو اپنے فرش پر بٹھا لیتے تھے۔ وہ جب کھانا کھاتے تھے تو آپ کو ہمیشہ ساتھ بٹھاتے بلکہ آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آپ کی دیکھ بھال کے لیے حضرت ام ایمن روز اول سے مامور تھیں۔ ان کو عبدالمطلب ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے کہ آپ کی طرف سے کبھی ذرا بھی غفلت و کوتاہی نہ برتیں کہ آپ کی الگ شان اور آن بان ہے۔ دادا جان کی یہی بے پناہ شفقت و محبت تھی کہ جب ان کی وفات ہوئی تو آپ ان کے جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے اور عرب روایات کے علاوہ شاید یہی تعلق خاطر تھا کہ آپ اپنے کو "ابن عبدالمطلب" کے نام سے روشناس کراتے تھے۔ ان تفصیلات سے جو تفصیلات نہیں کہی جا سکتیں یہ بہرحال واضح ہوتا ہے کہ آپ کی آٹھ برس کی عمر شریف تک اولاً بشرکت والدہ ماجدہ اور بعد میں بلاشرکت غیرے پوری اور ہر طرح کی کفالت آپ کے دادا نے کی تھی۔

(۵) کفالت عم / اعمام نبوی

ہمارے بیشتر ابتدائی، قدیم اور جدید مصادر و کتب صرف یہ روایت تسلیم کرتے ہیں کہ جدامجد عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت صرف اپنے فرزند ابو طالب عبد مناف بن عبدالمطلب ہاشمی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و پرورش کی ذمہ داری سونپی تھی اور ان کو اس کی خاص وصیت کی تھی۔ اور ابو طالب نے اس وصیت پدری پر دل و جان سے عمل کیا اور آپ کو دادا کی وفات کے بعد اپنی آغوش محبت میں لے لیا۔ بالعموم

ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ابوطالب کو یہ ذمہ داری اس لیے سونپی تھی کہ وہ آپ کے حقیقی چچا تھے یعنی ابوطالب اور عبداللہ ایک ہی ماں کے فرزند بھی تھے جبکہ اکثر چچا دوسری ماؤں سے تھے۔ بعض روایات سے جن کی اسنادی حیثیت مشکوک بتائی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے قریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حقیقی اعمام زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب کو کفالت و حفاظت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بظاہر وصیت کی تھی کہ دونوں آپ کے والد مرحوم عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ ابن کثیر نے اموی کی کتاب المغازی کی بنا پر یہ روایت نقل کی ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچاؤں نے آپ کی کفالت کی تھی اگرچہ اس میں وصیتِ پدری کا ذکر نہیں ہے لیکن وہ پنہاں سمجھا جاسکتا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ یمن کے سفر تجارت پر بھی گئے تھے جب کہ آپ دس بارہ سال (بضع عشرہ سنہ) کے تھے اور اس سفر کے دوران بعض معجزات و برکات کا بھی ظہور ہوا تھا۔ پھر آپ کے چچا زبیر کا انتقال ہو گیا جب آپ کی عمر شریف چودہ سال کی تھی اور ابوطالب نے آپ کی کفالت کا بار تنہا اٹھالیا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اور بعض واقعاتی شہادتوں کے لحاظ سے اس روایت کا درجہ گر جاتا ہے تاہم بعض دوسرے شواہد و قرائن سے یہ بات سچی اور حقیقی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں چچاؤں نے آپ کی کفالت کی تھی اور زبیر کی وفات کے بعد ہی ابوطالب نے تنہا یہ سعادت پائی تھی۔ ان میں سے ایک تو یہ حقیقت ہے کہ زبیر بھی ابوطالب کی طرح عبداللہ کے سگے بھائی اور حقیقی چچا تھے۔ دوسرے وہ آپ کو بہت چاہتے تھے اور بچپن میں آپ کو جھولا جھلاتے اور لوری سناتے تھے۔ آپ کو بھی ان سے محبت تھی کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام ان کے فرزند کے نام پر اور زبیر کی کنیت ابوالطاہر کی رعایت سے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ عبداللہ کی وفات کے بعد ان کا اثاثہ لینے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے بلکہ دراصل ان کی موت سے قبل ان کی تیمارداری کرنے کے لیے ایک روایت کے مطابق عبدالمطلب نے زبیر بن عبدالمطلب ہی کو بھیجا تھا۔ یہی زیادہ قرین قیاس لگتا ہے کیونکہ حارث کے مقابلہ میں زبیر کا ابوطالب و عبداللہ کی طرح بنو عدی بن نجار سے زیادہ گہرا تعلق تھا۔ پھر متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حارث بن عبدالمطلب کا اپنے والد کی زندگی ہی میں عبداللہ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس سے اہم یہ کہ زبیر بن عبدالمطلب اور ابوطالب

بن عبدالمطلب کے ایک ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرنے میں کوئی ایسی منافرت و تضاد نہیں ۔ دونوں کو نہ صرف اس سعادت سے عہد جاہلیت میں بھرپور حصہ ملتا ہے بلکہ زبیر کی وفات کے بعد خواہ وہ کبھی ہوئی ہو بالخصوص عہد اسلامی میں ابو طالب کو بلا شرکت غیرے آپ کی حمایت و نصرت کی خوش بختی نصیب ہوتی ہے ۔ اس کا کوئی انکار نہیں کرتا اور جو کرتا ہے وہ بلا سند و بلا جواز کرتا ہے ۔ اور سب سے اہم آخری بات یہ کہ اگر سند کے لحاظ سے زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت نبوی بتانے والی روایت کمزور ہے تو ابن اسحاق و ابن ہشام وغیرہ کے مطابق ابو طالب کو بوقت مرگ عبدالمطلب کی وصیت کی روایت بھی کچھ ایسی زیادہ مضبوط نہیں بلکہ ضعیف ہے کیونکہ رواۃ نے اس کو فیما یزعمون (جیساکہ ان کا گمان ہے / یا ان میں سے ہے جو وہ گمان سے کہتے ہیں) کے لاحقہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ جیساکہ اہل علم جانتے ہیں روایت کے کمزور ہونے کی علامت ہے بہرحال ابھی تک بیشتر علما و محققین نے زبیر کے کفالتِ نبوی کرنے والی روایت کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ وہ شہرتِ عام رکھنے والی روایت کے متوازی یا متصادم سمجھی جاتی ہے ۔ اور جب تک مزید تحقیق و تائید نہ ہو جائے اسے بالعموم تسلیم کرنے میں عام تامل ہی پایا جائے گا ۔ حالانکہ ابولہب کے طرز عمل کی روشنی میں جو بعثت نبوی تک کم از کم محبت آمیز و شفقت آگیں ہی رہا تھا ۔ دوسرے اعمام نبوی بالخصوص زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت و پرورش کی روایت نہ عقل کے خلاف ہے اور نہ عام سیرت اور انسانی طرز عمل کے خلاف ۔ اس تمام بحث کا مقصود یہ ہے کہ ابو طالب کے ساتھ دوسرے اعمام نبوی کی کفالت کے بارے میں تحقیق و جستجو کی جائے ورنہ ہمارے بنیادی نکتہ پر اس سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا کہ آپ کی کفالت ایک چچا نے کی تھی یا اس میں کئی شریک تھے ۔ وہ بہرکیف آپ کے اپنے وسائل کے علاوہ ایک خارجی وسیلہ سے ہوئی تھی ۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اور کثرت عیال نے اس کو اور سقیم بنا دیا تھا تاہم ان کے محبت بھرے دل نے اپنے یتیم و یسیر اور چہیتے بھتیجے کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔ ابن اسحاق و ابن ہشام کے مطابق آپ ہمیشہ و ہمہ وقت ابو طالب کے پاس رہنے لگے ۔ ابن سعد کا بیان زیادہ مفصل ہے ۔ ابو طالب آپ سے اتنی محبت کرتے تھے جتنی وہ اپنی کسی اولاد سے نہ کرتے ۔ آپ

کو اپنے پہلو میں سلاتے اور جہاں جاتے ساتھ لے جاتے۔ اور آپ پر غایت شفقت کرتے۔ اور آپ کے کھانے پینے کا خاص اہتمام کرتے۔ روایت ہے کہ ابوطالب کے اہل و عیال جب ساتھ یا اکیلے کھاتے تو ان کو سیرابی نہ ہوتی، مگر جب آپ شریک طعام ہوتے تو سب سیر ہو جاتے۔ اسی لیے ابوطالب ان کو ہمیشہ تاکید کرتے کہ میرے بیٹے کو آجانے دو تب اس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ابوطالب بطحا میں ایک مخصوص تکیہ / مسند پر ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے ایک دن آپ جب کہ بچے ہی تھے اس کو اٹھالے گئے اور اس پر آرام فرما ہوئے۔ ابوطالب کو آنے پر جب اصل بات معلوم ہوئی تو خوشی کا اظہار کیا اور آپ نے مزید آرام کی آرزو کی۔ بلاذری نے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب کے گھر کھانے کی قلت ہوتی تھی اس لیے آپ اکثر دنوں میں صبح صبح زمزم پر جاتے اور پانی پی لیا کرتے اور جب صبح کا کھانا پیش کیا جاتا تو فرمایا کرتے کہ میں شکم سیر ہوں۔ ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ صبح صبح جب ابوطالب بچوں کو کھانا / ناشتہ دیتے تو وہ چھین جھپٹ کرتے اور آپ اپنے ہاتھ روکے بیٹھے رہتے اس لیے شفیق چچا نے آپ کے کھانے کا الگ انتظام کر دیا تھا۔ آپ کی محبت کرنے والی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد ہاشمی کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کھانا نہیں دیتی تھیں اور آپ کے لیے بچا بچا کر رکھتی تھیں۔ ان تمام تفصیلات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ابوطالب اور ان کی اہلیہ محترمہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و کفالت میں کسی طرح کا دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور عالم جوانی تک جب تک آپ خود کمانے کے قابل نہ ہو گئے آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ محبت بھری دیکھ بھال تو سبھی بلکہ آپ کی کہولت تک جاری رہی جب آپ نے احسان مندی سے ان کا بوجھ بٹا لیا تھا۔ تمام مصادر میں ابوطالب کے ساتھ آپ کے بارہ سال کی عمر میں شام کو ایک تجارتی سفر میں جانے کا واقعہ بھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ بھی شفیق چچا کی بے کراں محبت کا ثبوت تھا جو وہ اپنے دل میں اپنے بھتیجے کے لیے رکھتے تھے۔

(۶) اوّلین خود کفالتی :

شفیق و کریم چچا کے گھر میں قیام اور ان کی کفالت و محبت سے فیضیاب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی خواہ وہ کتنی حقیر و معمولی کیوں نہ رہی ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بکریاں چرائیں۔ کچھ مورخین اور

سیرت نگاروں نے یہ وضاحت کی ہے کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی بکریاں چرائیں لیکن اس کی تائید میں کوئی روایت نہیں ملتی البتہ ابن اسحاق وغیرہ کے ہاں یہ روایت ضرور ملتی ہے کہ آپ حلیمہ سعدیہ کے بچوں کے ساتھ ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی ایک موقعہ پر بچپن کے شق صدر کا واقعہ پیش آیا تھا۔ امام بخاری اور امام ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آپ نے خود ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ میں بکریاں (غنم) قراریط پر مکہ والوں کے لیے چرایا کرتا تھا۔ اس حدیث نبوی کی تشریح و تفسیر اور مقصود میں علماء و محققین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید کی رائے ہے کہ آپ ہر بکری ایک قیراط (سکے) کے عوض چرایا کرتے تھے یعنی مکہ والوں کی بکریاں اجرت پر چراتے تھے لیکن علامہ عینی شارح بخاری نے ابراہیم حربی اور ابن جوزی وغیرہ کی رائے کی بنا پر یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے اور وہ اجیاد نامی مقام کے قریب ہی تھا اس لیے آپ اجرت پر نہیں چراتے تھے اور اسی کو راجح قرار دیا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس کے علاوہ نور النبراس کا حوالہ دے کر اس کے مفصل بیان ہونے اور راجح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تشریح و تعبیر اور ترجیح صحیح نہیں معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ حدیث کے دو عظیم ترین اماموں بخاری اور ابن ماجہ نے اس کو بالترتیب "کتاب الاجارۃ" اور "کتاب التجارات" میں نقل کیا ہے اور ان دونوں کے متعلقہ ابواب "باب رعی الغنم علی قراریط" اور "باب الصناعات" بھی اس کی مزید تائید کرتے ہیں کہ آپ یہ خدمت اجرت پر انجام دیا کرتے تھے۔ اہل علم واقف ہیں کہ امام بخاری کے تراجم ابواب فقہ حدیث میں حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر لاهل مكة (اہل مکہ کے لیے) کا فقرہ مزید ثابت کرتا ہے کہ آپ اجرت پر یہ کام کیا کرتے تھے ورنہ مکہ والوں کے لیے بلا اجرت خدمت انجام دینے کا مفہوم ہی خبط ہو جاتا ہے۔ دوسرے بہت سے علماء محققین نے اجرت پر بکریاں چرانے ہی کی تائید و تصدیق کی ہے اور بہت قوی دلائل دیے ہیں۔ اور ان سے بحث کرنا ہمارے موجودہ مسئلے سے تعلق نہیں رکھتا بہرحال یہ محنت کا معاملہ تھا اور آپ نے اسی سے اپنی معاشی زندگی کا آغاز کیا۔

(۷) تجارتِ نبوی :

عنفوان شباب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسائل آمدنی اور ذرائع معاش کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ بالترتیب یہ تھے (۱) والدین کا ترکہ (۲) دادا کی کفالت

RAYAZ AHMED SHERIFF
25/8. MARAPPA THOTA.
M. R. PALYAM BANGALORE

وعطیہ (۳) اعمام نبوی بالخصوص زبیر بن عبد المطلب اور ابوطالب بن عبد المطلب کی کفالت و پرورش اور (۴) بکریاں چرانے کی خدمت جو اجرت پر آپ نے قبول کی تھی اور اس میں اپنے اہل وعیال اور خاندان کے جانوروں/بکریوں کا چرانا بھی شامل تھا کہ عادت کے مطابق اکثر چرواہے اپنی بکریوں/جانوروں کے ساتھ ہی دوسروں کے جانور چراتے ہیں ابھی تک کم از کم میری معلومات اس باب میں ناقص ہیں کہ آپ کو اس خدمت سے کتنی یافت و آمدنی ہوتی تھی۔ شیخ ابن ماجہ سوید بن سعید کی رائے کے مطابق اگر ایک بکری ایک قیراط پر چرائی جاتی تھی تو بہت معمولی آمدنی ہوتی ہوگی۔ بہرحال یہ صرف قیاس و استنباط ہی ہے۔ اصل حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس کی ایک جھلک صحیح معلومات ملنے پر ہی مل سکتی ہے۔ بہرکیف آپ کے گذارے کے لیے وہی وجہ معاش نہ تھی کہ کفالت کے لیے شفیق چچا اور دوسرے اعزہ موجود تھے۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ نے نوجوانان قریش کی مانند تجارت کا مشغلہ اپنایا کہ یہی قبیلہ کی روایت اور شہر و خاندان کی ریت تھی۔ اپنے بچپن میں آپ نے اپنے چچا زبیر بن عبد المطلب اور ابوطالب کے ساتھ کم از کم یمن و شام کے دو سفر کیے تھے اور ابن سعد وغیرہ کی بعض اور روایات سے آپ کے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ یا دوسرے رفقاء کے بازاروں میں موجودگی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ تجارت و کاروبار سے ابتدائی تعارف تو حاصل ہی کر لیا تھا۔ آپ نے اپنی آزادانہ تجارت کب شروع کی اور کب سے باقاعدہ تجارت کو اپنا وسیلۂ رزق بنایا ابھی تک کی معلومات کے مطابق کوئی حتمی وقت مقرر کرنا مشکل ہے۔ تاہم بلاذری کی ایک واضح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیس سال کی عمر پار کرنے کے بعد سلسلۂ کاروبار شروع کیا مگر اس روایت میں حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر شام جانے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بعد کا واقعہ ہے جب آپ بطور تاجر اپنی حیثیت مسلم اور اپنی مہارت و محنت اور دیانت منوا چکے تھے۔ تاریخی روایات و شواہد اور قرائن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اٹھارہ بیس سال کی عمر شریف میں تجارت کا آغاز کیا ہوگا۔ کہ لگ بھگ اسی عمر و سن میں آپ کے اجداد و آباء اور دوسرے قریشی تجار نے تجارت شروع کی تھی[۲۶]۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے تقریباً تمام قدیم و جدید مصادر آپ کی تجارت کا ذکر حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی سے شادی اور ان کی تجارت میں مضاربت

کے حوالہ سے کرتے ہیں۔ جس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ وہ آپ کی تجارت کا نقطۂ آغاز تھا۔[۵۳] اس روایت میں بھی ایسے قرائن وشواہد موجود ہیں جو یہ واضح کرتے ہیں کہ اس وقت تک آپ بطور تاجر امین مکہ مکرمہ میں مسلم ومشہور ہو چکے تھے۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی "سن رشد" پہنچنے کے بعد آپ نے تجارت کا شغل اپنایا اور جلد ہی اس میں مہارت حاصل کر لی اور ایک حیثیت بنا لی۔

آپ کی تجارت اور آپ کی طرح اور دوسرے ابھرتے ہوئے قریشی تاجروں کی تجارت بھی مضاربت کے اصولوں پر شروع ہوئی یعنی مکہ مکرمہ کے مالدار یا جو دور دراز کے سفر اور بازاروں کی مصروفیات سے گریز کرتے تھے یا بعض وجوہ سے خود نہیں کر سکتے تھے وہ دوسرے محنتی اور کارگذار وامانت دار اشخاص کو اپنا مال تجارت دے کر مختلف عرب کے بازاروں اور قریبی ممالک شام ویمن وغیرہ بھیجا کرتے تھے اور نفع کا ایک تناسب جو فریقین میں طے پا جاتا تھا "مضاربوں" کو ادا کر دیتے تھے اس طرح دونوں کو فائدہ ہوتا تھا۔[۵۴] یہ تقریباً یقینی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تجارت کا آغاز اسی اصول مضاربت کے مطابق کیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال تجارت کو شام لے جانے سے قبل متعدد حضرات کے ساتھ تجارتی روابط قائم کر کے اپنی ساکھ بنا چکے تھے۔ بعثت ونبوت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن شرکاء تجارت کا ذکر ملتا ہے ان میں حضرات سائب، قیس بن سائب مخزومی اور عبد اللہ بن ابی الحمساء شامل ہیں۔ وہ آپ کے معاملہ کی صفائی، راست گوئی، وعدہ وفائی اور حسن معاملہ کا اعتراف کرتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ان شرکاء تجارت کے علاوہ حدود تجارت کی سرخی کے تحت عرب کے بازاروں میں جباشہ کا ذکر کیا ہے جہاں حضرت خدیجہ نے تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جرش (یمن) بھی شامل ہے جہاں آپ دو بار گئے تھے اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کی بنیاد پر قیاس کیا ہے کہ آپ نے بحرین اور قبیلہ عبد القیس کے علاقے کا سفر بھی برائے تجارت کیا تھا۔[۵۵]

اور ان سب میں تفصیلات کے لحاظ سے آپ کا وہ سفر تجارت ہے جو حضرت خدیجہ کے مال کے ساتھ اور ان کے غلام میسرہ کی معیت میں آپ نے شام / بصریٰ کا کیا تھا۔ روایات کے اختلاف کے مطابق جب آپ کی عمر مبارک بیس سے اوپر پچیس ہو گئی تو ابوطالب نے آپ سے کہا کہ میرے پاس مال نہیں رہا اور زمانہ سخت آن پڑا ہے۔ تمہاری قوم کے

کاروانِ تجارت کے شام جانے کا وقت آگیا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد اسدی تمہاری قوم کے افراد کو اپنے کاروانِ تجارت میں بھیجا کرتی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو پیش کرو تو وہ تمہیں جلدی قبول کریں گی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے معاملہ چچا کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور انہوں نے حضرت خدیجہ سے بات کی اور وہ بخوشی تیار ہوگئیں۔ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کو جب چچا سے آپ کی گفتگو کا علم ہوا تو انہوں نے خود بلا بھیجا اور آپ کو سامانِ تجارت کے ساتھ شام بھیج دیا۔ آپ نے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ نفع کمایا اور حضرت خدیجہ نے آپ کو حسب وعدہ دوسروں سے زیادہ دیا۔ اور اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپ کی معاملہ فہمی، راست بازی، محنت و دیانت کے واقعات سن کر خاصی متاثر ہوئیں۔ اکثر روایات یہ تاثر دیتی ہیں کہ اس سفر کے بعد حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی ان کی یا اپنی تحریک سے ہوگئی[۵۷]۔ قیاس کہتا ہے اور اس کا امکان ہے کہ پہلے سفرِ تجارت اور شادی کے درمیانی عرصے شاید ایک دو یا زیادہ بار ان کا سامانِ تجارت لے کر گئے ہوں[۵۸]۔ اسی طرح یہ تاثر بھی عام ہے کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ ان کی دولت و تجارت پر گویا تکیہ و انحصار کر کے بیٹھ گئے تھے۔ اور زمانہ بعثت تک بلکہ اس کے بعد ہجرت مدینہ یا ان کی وفات ۹ھ تک اپنا آزاد تجارتی مشغلہ ترک کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کی تجارت کے بعد کے واقعات اور اس سے متعلق روایات نہیں ملتیں تاہم چند روایات و شواہد ایسے ہیں جو یہ ثابت و واضح کرتے ہیں کہ شغلِ تجارت بعثت نبوی کے بعد بھی جاری رہا تھا بلکہ آپ کی خودداری طبیعت، محنت و اکل حلال پر زور دینے اور اس کی اہمیت پر آپ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا تجارتی مشغلہ بعد میں بھی جاری رکھا ہوگا۔ بہرحال بعثت کے بعد تک کی زندگی میں آپ کی تجارت سے متعلق روایات ملتی ہیں اور اب ہم انہیں کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے مشہور جاہلی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے ذکر کے لیے اپنی مخصوص فصل میں ایک طویل روایت طبرانی سے ایمن کی سند پر بیان کی ہے جو مرفوع ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب اموی اپنے دوست امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے ساتھ برائے تجارت شام گئے اور وہاں دو ماہ قیام کر کے مکہ واپس آئے اور پھر یمن کے سفر تجارت پر چلے گئے جہاں پانچ ماہ قیام کیا اور پھر مکہ مکرمہ واپس آئے۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ ان

سے ان کی قیامگاہ پر آکر ملنے اور اپنے سامانِ تجارت (بضائعھم) کے بارے میں پوچھنے لگے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت ان کی اہلیہ ہند بیٹھی ہوئی اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ آپ نے ابوسفیان کو سلام کرکے مبارکباد دی اور ان کے سفر و قیام کے بارے میں گفتگو کی مگر اپنے سامان (بضاعۃ) کے بارے میں کچھ نہ پوچھا اور تشریف لے گئے۔ ابوسفیان نے ہند سے کہا کہ "مجھے آپ پر بڑا تعجب ہے بلکہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ قریش کے ہر آدمی نے جس کا سامان میرے پاس تھا مجھ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھا مگر آپ نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔" ہند نے کہا کہ "آپ کو ان کا حال نہیں معلوم"؟ ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان اس کے بعد طوافِ کعبہ کے لیے گئے تو آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ سے کہا کہ آپ کا سامان اتنا اتنا ہوگیا ہے اور اس میں نفع ہوا ہے (وکان فیہا خیر)۔ آپ کسی کو بھیج کر اسے منگوا لیں اور آپ سے وہ بھی نہ لیں گے جو اپنی قوم سے لیتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تب تو نہ لوں گا۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ کسی کو بھیج دیں اور میں اتنا ہی لے لوں گا جو اپنی قوم سے لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنا سامانِ تجارت منگوا لیا اور ابوسفیان نے دوسروں کی مانند آپ سے بھی اپنا معاوضہ لے لیا۔ ابن کثیر نے اس کے بعد دوسرے واقعات بیان کیے ہیں جن کا امیہ بن ابی الصلت سے تعلق ہے اور آخر میں طبرانی کی تجارت نبوی سے متعلق یہی روایت دوسری سند سے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ حافظ بیہقی نے بھی اس کو کتاب الدلائل میں اسماعیل بن طریح کی سند سے بیان کیا ہے مگر ہم نے طبرانی کی روایت و سیاق کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ وہ سب سے زیادہ مکمل ہے۔ یہ روایت واضح طور سے بعثت سے ذرا قبل و بعد آپ کی تجارت میں فعال دلچسپی کا بیان پیش کرتی ہے جو مضاربت کے اصولوں پر مبنی تھی۔ گویا آپ نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جب آپ اپنا مال دوسروں کو مضاربت پر دیتے تھے۔

ترتیب زمانی کے اعتبار سے ایک اور روایت بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اہم بھی ہے۔ اس کا اتفاق سے تعلق ابوسفیان بن حرب اموی ہی سے ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو ابوسفیان شام سے ایک تجارتی سفر سے واپس

آئے اور ان کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کا سامان بھی تھا اور آپ نے ان سے اس کی بابت فرمایا تھا کہ "انشاء اللہ آپ اس میں امانت ادا کریں گے"۔ طبرانی، بیہقی اور بلاذری کی ان دو روایات سے یہ تو کم از کم ثابت و معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کا سلسلہ بعثت کے بعد بھی جاری رہا تھا لہٰذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد اس کا جاری رہنا تو اور بھی مسلم اور ثابت ہے۔ اگر تلاش و جستجو جاری رکھی جائے اور تحقیق و تفتیش بند نہ کی جائے تو گمان غالب بلکہ یقین ہے کہ اور بھی ایسی روایات و شواہد مل جائیں گے جو آپ کی تجارت بعد از نبوت کو قطعی طور سے ثابت کر دیں گے۔ کار نبوت کی گرانباری اور ہمہ وقت مصروفیت کی بنا پر ظاہر ہے کہ آپ کو خود براہ راست تجارتی اسفار کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کہ دوسرے تجار مکہ کی مانند آپ مضاربت کی بنا پر اپنی تجارت کو جاری رکھ سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کی مخالفت اور آپ کی عداوت کے بدترین زمانہ میں آپ کی تجارت سے بہت سے تاجران مکہ نے پہلو تہی بھی کی ہوگی مگر کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے دوستی، تعلقات اور مالی منافع وغیرہ جیسے متعدد اسباب کے سبب آپ کے لیے مضاربت پر تجارت کرنی مفید بھی سمجھی ہوگی پھر آپ کے بہت سے جانثار صحابہ کرام میں سے متعدد حضرات تاجر تھے۔ اور انہوں نے اس خدمت نبوی کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھا ہوگا۔ یہ بہرکیف قیاسات ہیں اور ان کو ان کی حدود ہی میں محدود رکھنا چاہیے۔ روایات و تاریخی شواہد سے یہ بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی تجارت کا سلسلہ شادی کے بعد بھی جاری رکھا تھا۔ اور بعد نبوت بھی اس سے کم از کم ابتدائی اسلام کے زمانہ میں ہاتھ نہیں اٹھالیا تھا۔ اس روایت اس خیال و نظریہ اور تاثر کی تردید ہوتی ہے جو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ نے ان کی دولت و تجارت پر تکیہ کرکے وسائل حیات فراہم کیے تھے۔

(۸) تجارت و دولت حضرت خدیجہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کی کے باب میں حضرت خدیجہ کی تجارت و دولت کو کافی اہمیت حاصل ہے اور اس سے انکار کرنا ناانصافی بھی ہوگا اور تاریخی معروضیت اور اسلامی اصول پسندی کا خون کرنا بھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس وسیلۂ حیات اور وجہ معاش کا اس کے صحیح تاریخی تناظر اور واقعات سیرت کے واقعی پس منظر

میں اور ان سب سے بڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت شخصیت کے اعتبار سے جائزہ لیں۔

ہمارے مؤرخین وسیرت نگاروں سے زیادہ ہمارے قدیم وجدید مفسرین نے یہ خیال ونظریہ عام کرنے میں حصہ لیا ہے کہ حضرت خدیجہ کی دولت آپ کی مالداری اور خوشحالی کی ذمہ دار تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ دنیاوی وسیلہ اسی لیے فراہم کیا تھا کہ آپ دنیاوی مشاغل سے بالاتر وآزاد ہو کر اللہ کے دین کو پھیلانے اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ جہت مصروف ہو جائیں۔ اس خیال ونظریہ کی حمایت ہمارے برصغیر پاک وہند کے علماء ومفسرین نے کچھ زیادہ ہی زور وشور سے کی ہے۔ چنانچہ بطور مثال چند اسمائے گرامی پیش کیے جارہے ہیں۔ اردو مفسرین میں شاہ عبدالقادر، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی شامل ہیں۔ جنہوں نے سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں کسی نہ کسی طرح اس خیال کو پیش کیا ہے۔ انگریزی مفسرین میں عبداللہ یوسف علی وغیرہ اس کے علمبردار ہیں۔ مزید تفحص وجستجو سے اور اسمائے گرامی بھی گنائے جاسکتے ہیں۔ یہاں ایک اشکال سورۂ والضحیٰ کی آیت کریمہ ۸ "وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَىٰ" سے پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا کیا جاسکتا ہے۔ یہ بحث بھی کافی طویل ہے البتہ چند مثالیں دی جارہی ہیں تاکہ عارضی طور سے اس کا حل نکل آئے اور خلش باقی نہ رہے۔ ابن کثیر نے مفہوم بیان کیا ہے کہ "آپ فقیر اور عیال والے تھے تو اللہ نے آپ کو اپنے سوا سب سے غنی کر دیا اور آپ کے لیے "فقیر صابر" اور "غنی شاکر" کے دونوں مقامات جمع ومقدر کر دیے" اس کے بعد انہوں نے قلبی غنا اور رزق کفاف پر قناعت سے متعلق دو حدیثیں بیان کی ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور غنا سے وہی مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے "عائل" کا ترجمہ "تنگدست" اور "اغنیٰ" کا توانگری کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے پوری آیت مطہرہ کا ترجمہ کیا ہے۔ "اور پایا تجھ کو مفلس، پھر محظوظ کیا"۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے شاہ صاحب موصوف کے ترجمہ کا مفلس باقی رکھا اور محظوظ کی جگہ "غنی کر دیا"۔ مولانا مودودی نے بالترتیب "نادار" اور "مالدار" ترجمہ کیا ہے جبکہ مولانا اصلاحی نے بالترتیب "محتاج" اور "غنی" کے مترادفات استعمال کیے ہیں۔ اور انگریزی میں عبداللہ یوسف علی نے "IN NEED" اور "INDEPENDENT" سے ترجمانی کی ہے۔ ان چند مثالوں میں "عیال والے فقیر" "تنگدست" "مفلس" "نادار" "محتاج" اور انگریزی میں "ضرورتمند" کے مختلف ترجمے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی کئی تعبیرات مل سکتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو ترجیح و تحریک کے خیال سے نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ "عائل" اس ضرورت مند و محتاج کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عائلی ذمہ داریوں کے سبب تنگدست ہوا ہو۔ خالص فقر کے لیے قرآن مجید نے فقر ہی کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے متضاد غنی کا لفظ۔ لہٰذا یہ تنگدستی تھی فقر نہ تھا۔ بہرکیف یہ بحث طویل ہے۔ لہٰذا اسے نظر انداز کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و مفلسی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، آپ کی احتیاج و ضرورت اور تنگدستی پر کیا جاسکتا ہے۔

(۹) معاش نبوی سے متعلق چند تاریخی روایات

ہمارے متعین کردہ مفہوم کی تائید بعض تاریخی روایات و سیرتی واقعات سے ہوتی ہے۔ اوپر کی بحث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کی وراثت میں اچھا خاصہ سامان اور غیر منقولہ مکان ملا تھا۔ جو خوشحالی کے لیے کافی نہ تھا تاہم بقدر کفاف تھا اور ضروریات کے لیے کافی تھا۔ پھر والدہ کی پرورش، جد امجد و اعمام نبوی کی کفالت کے بعد آپ کی محنت کی کمائی اور تجارت تھی۔ اور اسی تجارت نے آپ کو بقدر کفاف سے اوپر اٹھا کر "غنا" کے درجہ تک پہنچایا تھا۔ اور بعد میں حضرت خدیجہ کی دولت و تجارت نے آپ کی اپنی تجارت سے مل کر آپ کو مادی فراغت نصیب کر دی۔ ان حقائق کے علاوہ سیرت نبوی کے مختلف مراحل ارتقاء سے کچھ اور معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جو آپ کے "مال" "سامان" یا جو کچھ اسے نام دیا جائے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بعثت سے قبل ہر سال حج میں شریک ہوتے تھے اور عرب حمس کے طریقہ کے برخلاف عرفات میں عام حجاج کے ساتھ قیام فرماتے تھے ایسے ہی کسی موقعہ پر جبیر بن مطعم بن عدی نے آپ کو اپنے ایک اونٹ (بعیر) پر موقوف عرفات کرتے ہوئے دیکھا تھا[۵۲]۔ ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق آپ ہر سال رمضان المبارک میں غارِ حرا میں مجاورہ و مراقبہ کیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ بہت ابتداء سے جاری تھا۔ اور مجاورہ کے خاتمہ پر طوافِ کعبہ کرتے اور اس کے بعد بلا ناغہ مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے[۵۳]۔ آپ کے جود و سخا، مہمان داری اور فیاضی، کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک، ناداروں کی امداد اور اجنبیوں اور بیگانوں کی مادی راحت رسانی کوئی بُعد کی بات نہیں تھی اور نہ کسی اور کی دولت و مال کی محتاج تھی۔ یہ آپ کی فطرت و طبیعت میں شروع

سے تھی اور اس کا اظہار برابر ہر مرحلۂ حیات پر ہوتا رہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اولین وحی قرآن کے نزول کے بعد آپ کی انہیں صفات کو یاد دلاکر آپ کی دلجوئی اور اپنی تصدیق و ایمان کی شہادت دی تھی[۱]۔ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ہی کسی وقت حضرت علی کا بارِ کفالت آپ نے اٹھالیا تھا کہ آپ کے محسن چچا ابو طالب کی مالی حالت دِگرگوں ہوگئی تھی اور جب ان سے شادی کی تھی تو کھانے پینے کے انتظام کے علاوہ اپنے سسرالی رشتہ داروں کو حلہ / لباس پہنائے اور حضرت خدیجہ کو بیس "بکرہ" (اونٹنیاں) مہر میں دیں[۲]۔ بعد میں ہجرت مدینہ کے قریب حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح کیا تو ان کو فی کس چار سو پانچ سو درہم مہر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ ولیمہ بھی کیا تھا اور ان کے کفاف کا انتظام بھی[۳]۔ ان کے علاوہ آپ کے کپڑوں، کھانے پینے، اسلحہ وغیرہ کے کبھی کبھی اکا دکا حوالے مل جاتے ہیں۔ مثلاً ابن کثیر کی روایت ہے کہ عہد جاہلیت میں آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور آپ نے مشہور حنیف زید بن عمر کو بھی مدعو کیا تھا[۴]۔ اسی طرح آپ نے اپنی بنات مطہرات کی شادیاں کی تھیں تو تین مخدرات کے لیے سامان جہیز وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ کھانا بھی کیا تھا آپ کے لباس / کپڑوں کا بھی کی عہد میں مختصر حوالہ آتا ہے اور ظاہر ہے کہ آپ اس کی ضرورت بھی اپنے مال سے پوری کرتے رہے تھے۔ مثلاً قریش کے اشراف نے ایک مجلس میں آپ سے بدتمیزی کی تو ایک دشمن اسلام نے آپ کی چادر (رداء) کھینچ لی تھی۔ بوقت ہجرت آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر اپنی چادر (برد حضرمی) اوڑھ کر سوجانے کے لیے کہا تھا جو آپ کی مخصوص چادر تھی اور وہ حضرموت کی بنی ہوئی سبز رنگ کی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھرداری کے اسباب بھی تھے اور ان میں سے آپ کی ایک ہانڈی (برمۃ) کا ذکر بدقماش پڑوسیوں کے ستانے کے ضمن میں آتا ہے۔ لباس میں آپ کے ازار کا دو جگہ کم از کم ذکر آیا ہے۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ دو لباس زیب تن فرمائے ایک ازار اور ایک رداء / حلہ وغیرہ اوپر کا لباس۔

آپ کے کی غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت ام ایمن مشہور رہیں۔ حضرت زید کو آپ نے حضرت خدیجہ سے مانگ لیا تھا اور آزاد کر کے حضرت ام ایمن سے بیاہ دیا تھا جن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے اور اس پورے خاندان کی کفالت آپ ہی کرتے دوسرے غلاموں میں حضرات ابوکبشہ، انسہ، صالح شقران اور سفینہ تھے۔ ان سب کو آپ نے

غالباً خرید اور آزاد کر دیا تھا مگر وہ آپ ہی کے زیر کفالت رہے تھے۔ غالباً ان کے علاوہ بھی کچھ کی غلام تھے[۵۹] اسی طرح ہجرت کے وقت آپ کو اپنے تمام جانور اور اثاثہ چھوڑنا پڑا تھا تو حضرت ابوبکر کی فراہم کردہ اونٹنی قصواء خرید لی تھی جس کی قیمت چار سو درہم تھی[۶۰]۔ ابن اسحاق نے اسلام کے لیے آپ کی دو دعوتوں کے انتظام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی سورۂ شعراء آیت ۲۱۴: وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو باخبر کرو) نازل ہوئی تو آپ نے حضرت علی کے ذریعہ ایک صاع کا کھانا تیار کرایا، اور اس پر سالم بکری کا پکا ہوا گوشت رکھوایا اور دودھ سے بھرا ہوا ایک لگن رکھوایا اور بنو عبدالمطلب کو دعوت اکل و شرب دی جس کے لیے چالیس مرد جمع ہوئے اور انہوں نے کھانا پیٹ بھر کھایا لیکن ابولہب کے بہکاوے میں آکر مجلس خراب ہو گئی اور آپ دعوت پیش نہ کر سکے۔ آپ نے پہلے دن کی مانند دوسرے دن دعوت اکل و شرب کا انتظام کیا اور اس بار مختصراً اپنی دعوت پیش کی۔ ان دونوں دعوتوں پر آپ کے مال کے خرچ ہونے کا معاملہ ظاہر ہے ابن اسحاق ہی کی ایک اور روایت بھی اس ضمن میں بیان کر دی جائے جو انہوں نے نزول وحی کے بعد آپ کے معمول کے عنوان کے تحت درج کی ہے اور جس میں آپ نے فرمایا تھا: "اے اولاد عبد مناف! اے اولاد عبدالمطلب! اے فاطمہ محمد کی بیٹی! اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! تم لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی گرفت سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو..." روایت میں آپ کی حدیث اور آگے چلتی ہے مگر ہمارے موضوع سے متعلق مذکورہ بالا ٹکڑے کا آخری فقرہ ہے جو کی دور میں آپ کے مال کا صاف ذکر کرتا ہے[۶۱]۔ اگر تمام روایات ذکر کی جائیں اور سب کا تفحص کیا جائے تو کی دورِ حیات نبوی میں آپ کے وسائل معاش کے اور بھی ثبوت مل سکتے ہیں لیکن اس بحث کو جو پہلے ہی کافی طویل ہو چکی ہے اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ باقی پھر کبھی۔

(۱۰) مسلم ہدایا و خدمات:

مدنی دورِ حیات طیبہ کی مانند کی زمانہ سیرت میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاش کے تعلق سے اس ضمن میں کچھ روایات ملتی ہیں۔ وہ خواہ کتنی حقیر اور عارضی نوعیت کی رہی ہوں بہرحال آپ کی مسرت و شادمانی، سہولت و آسانی اور اس سے بڑھ کر صحابہ کرام کی سعادت و خوش بختی کی ذمہ دار رہی تھیں۔ مکمل تجزیہ تو کافی وقت و جگہ کا متقاضی ہے صرف چند

مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے تاکہ معاش نبوی مکی کا یہ باب سرے سے خالی نہ رہ جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی صحابی، جانی دوست اور جاں نثار رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رہے تھے۔ وہ صدیق اکبر محض اس لیے قرار نہیں دیے گئے تھے کہ انہوں نے آپ کی بلا جھجک تصدیق وتائید کی تھی بلکہ انہوں نے اپنی جان ومال اور خدمت سے اپنے ایمان ومحبت کی ہر ہر قدم پر تصدیق کی تھی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے ابوبکر کے مال وخدمت سے جتنا فائدہ پہنچا اتنا کسی سے نہیں پہنچا۔ حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلا ناغہ حضرت ابوبکر کے ہاں صبح وشام جایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ جاں نثاران رسول آپ کی ہر طرح خدمت بجالاتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے سفر کے لیے سارے انتظامات یعنی زادِ سفر، سواری کا خادم وراہبر کی خدمات اسی خاندان صدیقی کے محبت کرنے والے افراد نے کی تھی۔ اور اس سفرِ ہجرت کے دوران مکی مسلمانوں میں حضرت طلحہ وزبیر نے آپ کو کپڑے بطور ہدیہ پیش کیے تھے۔ مکہ کے طویل قیام کے دوران صحابہ کرام نے بالخصوص اور بعض ہمدردانِ خاندان نے بالعموم آپ کی براہ راست یا بالواسطہ مدد کی تھی۔ دعوت اسلام کے خفیہ تبلیغ کے دور میں حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی نے اپنا مقام آپ کے صدر مقام تحریک کے لیے پیش کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس قیام کے دوران آپ کی دوسری خدمات اہل بیت کے علاوہ آپ کے یہی جاں نثار انجام دیتے تھے۔ بنو ہاشم اور مسلمانوں کے مقاطعہ کے دوران حضرت حکیم بن حزام جیسے بعض ہمدردوں کی امداد ورسد رسانی کا ذکر ملتا ہے۔ طائف سے واپسی پر دشمنان قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ نے آپ کی انگوروں سے ضیافت کی تھی۔ یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کر دی گئیں ورنہ تلاش وجستجو سے ایسی اور بھی کافی مثالیں اور روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ ان سے معاش نبوی کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے جو سماج ومعاشرہ کے اجتماعی سلوک سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر مکی معاشرہ میں جہاں صحابہ کرام زندگی کے سخت ترین اور تحریک کے مشکل ترین دور سے گزر رہے تھے یگانگت والفت، جاں نثاری وقربانی، اور ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبات بہت گہرے اور فراواں تھے۔ اور انہوں نے مل کر اپنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی مشکلات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

مکی عہد کی معیشت نبوی کے اس نامکمل اور مختصر تجزیہ سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ابتداء ہی سے افلاس وغربت کی شکار نہ تھی کیونکہ آپ

کا تعلق بہرحال "اشرافِ مکہ" کے چیدہ ترین اور معاشی لحاظ سے خاصے متمول گھرانے سے تھا۔ اگرچہ آپ کو یتیمی کا داغ اور اس کی پیدا کردہ محرومی کا سامنا اپنی پیدائش کے روز سے ہی کرنا تھا۔ تاہم آپ کے والد مرحوم کے چھوڑے ہوئے اثاثے اور ترکہ نے آپ کی زندگی کے سفر کی ابتدا کو خوشگوار بنانے میں کافی حصہ لیا تھا۔ پھر آپ کو حد سے زیادہ پیار کرنے والے دادا اور والدہ ماجدہ کی محبت اور دولت کا بھی سہارا تھا۔ جد امجد عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کو کسی قسم کی معاشی تنگی یا محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا اور اسی طرح آپ کی پرورش و پرداخت کا انتظام کیا جس طرح آپ کے والد عبداللہ کے زمانہ میں ہوتا۔ دادا کے علاوہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی محبت و نگہداشت کی دولت حاصل تھی اور اپنے ددھیالی اور ننہالی خاندانوں کے دوسرے بزرگوں اور عزیزوں کی بھی۔ والدہ کی وفات کے بعد جس طرح دادا نے دیکھ بھال کی وہ مثالی تھی اور دادا کی موت کے بعد آپ کی کفالت کی پوری ذمہ داری آپ کے دو چچاؤں زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب نے بالخصوص سنبھال لی اور اپنے مرتے دم تک خوب نبھائی۔ لڑکپن ہی سے آپ نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور گلہ بانی کا نبوی پیشہ اختیار کیا جو مالی یافت کا معمولی سہارا تھا۔ مگر اس نے آپ کو تجربات سے نوازا اور جب سن شعور کو پہنچے تو تجارت کا خاندانی اور قومی پیشہ اختیار کرنے میں لڑکپن کے بعض تجارتی اسفار کے ساتھ دلیل راہ ثابت ہوا۔ مضاربت کے اصول پر آپ نے اپنی تجارت کا آغاز کیا اور مقامی تجارت سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے قومی تجارت کے دھارے میں شریک ہو گئے اور مکہ مکرمہ میں اپنی محنت، مہارت، امانت و صلابت کے سبب ایک ممتاز جگہ بنائی اور ایک ابھرتے ہوئے خوشحال تاجر بن گئے۔ پچیس سال کی عمر شریف میں حضرت خدیجہ جیسی مالدار ترین اور خوش خصال عورت سے شادی کی تو ایک کامیاب تاجر تھے اور پھر اپنی تجارت کو اپنی نیک نہاد اور جاں نثار اہلیہ کی تجارت کے ساتھ مدغم کر کے "غنی" کے اس درجہ تک پہنچ گئے، جس کا حوالہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہ مشترکہ تجارت آخر کی عہد تک جاری رہی بس اس فرق کے ساتھ کہ بعثت کے بعد آپ نے دوسروں کو مضاربت پر مال دے کر تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی تجارت اور غنا حضرت خدیجہ کی دولت و تجارت کی محتاج اور اس پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ خود مختار و آزاد تھی البتہ آپ کی دولت و تجارت کو اس سے بہت فیض پہنچا تھا جس طرح متعدد صحابہ کرام کی جاں نثاری اور ہمدردانِ قریش کی مدد سے زیست کا سامان کسی حد تک فراہم ہوا تھا۔ آپ کی مکی معیشت انہیں مختلف عناصر سے مرکب تھی۔

تعلیقات و حواشی

(۱) بطور مثال و نمائندہ مؤلف ملاحظہ ہو : ڈی ایس مارگولیتھ، محمد اینڈ دی رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء، ص۴۵ پر لکھتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بے وقار خاندان سے تھے" مولانا شبلی، سیرت النبی، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، اول ص۱۷۶ نے اس کی بھرپور تردید کی ہے نیز ملاحظہ ہو عبدالحمید صدیقی کی تردید، لائف آف محمد، ہلال پبلیکیشنز کلکتہ ۱۹۸۲ء، ص۴۰ اور ص۵-۵۴

(۲) یہ نقطۂ نظر وضاحت سے یا مضمر طور سے تقریباً تمام مسلمان مؤرخین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء، ششم ص۳-۳۷۴ پر فرماتے ہیں کہ..... "آپ کی زندگی کی ابتدا افلاس کی حالت میں ہوئی" علامہ عبداللہ یوسف علی، دی ہولی قرآن، امانہ کارپوریشن، برنٹ وڈ، میری لینڈ ۱۹۸۹ء، ص۱۶۶۳، حاشیہ ۶۱۸۷ نے لکھا ہے : "The Holy Prophet was poor۔" ؛ نور محمد غفاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۸۶ء ص۶۵ پر لکھتے ہیں : "وہ بچہ جس نے آگے چل کر خاتم النبین بننا تھا... عالم امکان میں تشریف لایا تو والدین اعتبار سے مفلس تھے۔ والد عبداللہ بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے، یوں غربت کے ساتھ یتامت کا بندھن..... بندھ گیا۔" نعیم صدیقی، محسن انسانیت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی غیر مورخہ، والدین اور دادا کے انتقال کا ذکر کر کے لکھتے ہیں : "یہ گویا مادی سہاروں سے بے نیاز ہو کر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری ہو رہی تھی" یہ چند مثالیں ہیں ورنہ یہ نقطۂ نظر پوشیدہ یا علانیہ تقریباً بیشتر مسلم سیرت نگاروں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ نیز مولانا مودودی، سیرت سرور عالم لاہور ۱۹۸۰ء، دوم ص۹۵ نے "غربت سے زندگی کی ابتدا" کے تحت آپ کی غریبانہ زندگی کا ذکر کیا ہے۔

(۳) ابن اسحاق، سیرت ابن اسحاق، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈووکیٹ (عربی متن۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ) نقوش، رسول نمبر یازدہم لاہور ۱۹۸۵ء، ص۷-۳۳، نیز ملاحظہ ہو : ابوالحسن علی حسنی ندوی، السیرۃ النبویہ، دار الشروق ۱۹۸۹ء، ص۹۹ نے صرف ابن ہشام کی سند پر ابن اسحاق کی روایت بیان کر دی۔

(۴) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، قسم اول ص۱۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو : بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

دارالمعارف قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول ص ۹۲-۹۱ وغیرہ، جنہوں نے اس موضوع پر ہی نہیں بلکہ اور کئی متعلق معاملات پر خاموشی اختیار کی ؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفیٰ عبدالواحد، دارالمعرفۃ بیروت ۱۹۷۱ء اول ۲۲۳ نے صرف حضرت ام ایمن کے باپ سے وراثت میں پانے کا ذکر کیا ہے۔

(۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، اول ص ۱۰۰۔ نیز ملاحظہ ہو: نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۹۵-۹۶ نے قطعۂ غنم کا ترجمہ "چند بھیڑ بکریاں" کیا ہے۔

(۶) شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء اول ص ۱۶۸۔ اس کا حاشیہ ۲ سید سلیمان ندوی کا اضافہ ہے جبکہ متن میں مولانا شبلی نے اونٹوں کی تعداد کی صراحت چھوڑ دی ہے اور بکریوں کے سلسلہ میں بھی ایک / دو / کئی روایتوں کا حوالہ نہیں دیا ہے ؛ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ششم، ص ۳۷۴-۳۷۳، حاشیہ ۵ نے آپ کی وراثت میں پدری میں صرف ایک لونڈی اور ایک اونٹنی کا ذکر نہ جانے کس ماخذ کی بنیاد پر کیا ہے جبکہ سیرت سرورِ عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۰ء، دوم ص ۹۵ پر ابن سعد کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، اردو، المجلس العلمی علی گڑھ ۱۹۸۸ء ص ۸۲ نے ابن سعد کی روایت کو تین کتابوں کے حوالے سے "عبداللہ کا کل ترکہ" قرار دیا ہے۔

(۷) ابن اسحاق (اردو) ص ۳۳۔

(۸) بخاری، الجامع الصحیح، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب النزول بمکۃ للحاج و توریث دورھا ؛ ابوداؤد، سنن، کتاب المناسک، باب التحصیب اور کتاب الفرائض، باب ھل یرث المسلم الکافر۔

نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۵۱۶ نے اپنے متن میں یہ واضح طور سے کہا ہے کہ وہ مکان آپ کے والد عبداللہ کا نہیں تھا بلکہ ابوطالب کا تھا۔ ان کے الفاظ ہیں "ابوطالب ..... نے جب انتقال کیا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے اس لیے وہی وارث ہوئے۔ انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں"؛ اس کے حاشیہ ۱ میں جامع سید سلیمان ندوی نے صحیح بخاری، فتح مکہ کے باب میں حضرت اسامہ بن زید اور حجۃ الوداع کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ کی روایت بیان کی ہے اور ان دونوں میں "مکان" کا حوالہ ہے مگر اول الذکر کا موقع فتح مکہ ہے اور دوم کا محل حجۃ الوداع۔ اور اس کی تطبیق میں ابن حجر، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳ اور جلد ۲ ص ۳۶ کا قول نقل کیا ہے کہ ممکن ہے ان

دونوں موقعوں پر لوگوں نے سوال کیا ہو اور آپ نے ان دونوں پر یہ ارشاد فرمایا ہو۔

مولانا شبلی کی تقریباً تعلیق کہ مکان ابو طالب کا تھا قطعی صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ابو طالب کے مکان کے وارث ان کے فرزند ہی ہو سکتے تھے اور حضرات جعفر و علی جو مسلم تھے کی جگہ حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے ان کے صحیح وارث ہوئے اور انہوں نے اپنے والد سے ترکہ میں پایا ہوا مکان ابو سفیان کے ہاتھ بیچ ڈالا تو اس میں کسی کو کیا شکوہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اس بات سے کہیں بلند تھی کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھتے اور اس کے صحیح وارث کے ہاتھوں بیچ ڈالنے کو اپنی حق تلفی سمجھتے آپ نے دراصل ابو طالب کے مکان کے بارے میں نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنے قدیم مکان کے بارے میں ارشاد کیا تھا جس میں آپ اپنی ولادت سے ہجرت تک قیام پذیر رہے تھے اور جو آپ کو آپ کے والد ماجد / والدین سے ملا تھا۔

مولانا شبلی کا یہ تبصرہ کہ "شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا" اس موقع پر بے محل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد مرحوم کی میراث اپنی ولادت کے بعد بلکہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد پائی تھی اور وہ "شریعت اسلامی" کی تشکیل سے قبل ملی تھی۔ قریشی / کی روایات و قوانین کے مطابق آپ نے آخر کار اپنے والد کے چھوڑے ہوئے اونٹ، بکریاں اور باندی ترکہ میں پائے تھے۔ شریعت وہاں مانع نہیں ہوتی تھی۔

جامع حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال نہیں فرمایا ہے صرف بخاری کی روایات کی نشاندہی، صراحت اور تطبیق سے کام رکھا ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام نے یہ حدیث ایک فقہی مسئلہ کے حل کے لیے نقل کی ہے اور اس میں ابو طالب کے مکان اور حضرت عقیل کے بیچنے اور حضرات جعفر و علی کے پدری وراثت سے محروم رہنے کا واقعہ صحیح ہے مگر اس میں آپ کے مکانات / مکان کے حضرت عقیل کے ہاتھوں بیچنے کا مفہوم مضمر ہے جس کی تائید دوسری روایات کے علاوہ قرائن حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۹) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دوم ص ۱۳۶، بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۲۵۹ نے صراحت کی ہے کہ حضرت عقیل نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان (منزل رسول اللہ) ہی نہیں بلکہ اپنے بھائیوں بہنوں کے مکانات بیچ ڈالے تھے۔

(۱۰) ابن اسحاق (اردو) ص ۲۳، ص ۱۴۰ حضرت علی کی آپ کے ہاں اکثر آمد کا حوالہ)

ابن ہشام، اول ص ۳۱۵ (ابو سفیان، اخنس، ابوجہل کے تلاوت نبوی سننے کے ذکر میں)، ص ۳۴۴۔

(کعبہ کے نزدیک نماز میں آپ کی تلاوت قرآن سن کر آپ کے گھر تک حضرت عمر کے تعاقب کرنے کا ذکر)۔

اس مقام پر ابن اسحاق نے آپ کے مکان کا محل وقوع بھی بتایا ہے جو بہت ہی اہم ہے۔ مسجد حرام سے واپسی پر آپ ابن ابی حسین کے گھر (دار) کی طرف سے نکلتے کہ یہی آپ کا راستہ تھا یہاں تک کہ مسعی قطع / پار کرتے پھر حضرت عباس بن عبد المطلب اور ابن ازہر بن عبد عوف زہری کے دار کے درمیان چل کر اخنس بن شریق کے دار پر پہنچتے اور اپنے گھر (بیت) میں داخل ہو جاتے آپ کی جائے قیام (مسکن) "الدار الرقطاء" نامی مقام میں تھی جو بعد میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی ملکیت میں آگیا تھا۔ غالباً انہوں نے اپنے والد ابو سفیان سے ترکہ میں پایا تھا۔ نیز صـ۱۵-۱۴ جہاں آپ کے بدقماش پڑوسیوں ابولہب ہاشمی، حکم اموی عقبہ بن ابی معیط اموی عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی کے برے سلوک، گھر اور راستے میں غلاظت وگندگی اور تکلیف دہ چیزیں ڈالنے کا ذکر آتا ہے اور راستے میں آپ کے مکان کا حوالہ آتا ہے۔ مؤخر الذکر صفحہ پر آپ کے گھر (بیت) کا حوالہ پھر موجود ہے جس میں آپ کے سر مبارک پر کسی احمق (سفیہ) کے خاک ڈالنے، خاک آلود گھر میں داخل ہونے اور بنات مطہرات میں سے کسی کے سر اقدس کو دھونے اور آنسو بہانے کا ذکر ہے۔ تلاش وجستجو سے ایسے مزید حوالے دیے جا سکتے ہیں مثلاً اول صـ۳۸۳ مزید ملاحظہ ہو۔

(۱۱) ابن اسحاق (اردو) صـ۹-۳۳؛ ابن ہشام، اول صـ۱۵۸۔

(۱۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، اول صـ۱-۹۹ کی عبارت ہے: خرج عبد الله بن عبد المطلب الی الشام الی غزه فی عیر من عیرات قریش یحملون تجارات۔ ففرغوا من تجاراتهم ثم انصرفوا۔۔۔ بقیہ عبارت ان کی بیماری، نجاری رشتہ داروں کی دیکھ بھال موت اور تدفین سے متعلق ہے۔ عبداللہ کے بڑے بھائی حارث کے جانے اور ساری تفصیلات مدینہ سے لانے کا ذکر تو ہے مگر سامان تجارت کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

ہمارے جدید مؤرخین وسیرت نگاروں میں سے بیشتر نے سامان تجارت کا میراث پدری میں ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی مدینہ سے واپس لانے کے ضمن میں ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول صـ۱۴۹، صفی الرحمٰن مبارکپوری صـ۸۲، مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم صـ۹۰۔

(۱۳) بلاذری، انساب الاشراف: اول صـ۹۲۔

(۱۴) ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول صـ۸-۱۷۶۔

(۱۵) انساب الاشراف، اول صـ۱-۵۲ نے یہ روایت ابن سعد کے حوالہ وسند سے واقدی سے بیان کی ہے جنہوں نے ابن ابی سبرہ اور انہوں نے عبد الحمید بن سہیل بن عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے۔ گویا کہ یہ منقطع ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول صـ۲۸۵ نیز ملاحظہ ہو صـ۹۶ جہاں مذکورہ بالا پدری وراثت کے

علاوہ ورق (چاندی) کے بھی والد سے ترکہ میں پانے کا ذکر ہے - بلاذری، اول ص ۴۴ نے والدہ ماجدہ بی بی آمنہ سے آپ کے ایک باندی سلمیٰ نامی وراثت میں پانے کا ذکر کیا ہے -

(۱۶) ابن اسحاق ص ۴۲-۴۳ ابن ہشام اول ص ۱۶۰-۱۶۱ دونوں نے حیرت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کے دودھ پلانے کا ذکر نہیں کیا ہے اور براہ راست حلیمہ سعدیہ کی رضاعت کا واقعہ پوری تفصیل سے بیان کرنا شروع کر دیا ہے - ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۲۲۳ نے آپ کی والدہ کے ساتھ ثوبیہ کے دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے - ابن سعد اول ص ۱۰۰-۱۰۳ اور ص ۱۰۵-۱۰۸ نے بالترتیب آپ کی ولادت اور آپ کی دودھ پلائیوں کے اپنی دو الگ الگ فصلوں میں آپ کی والدہ کے دودھ پلانے کا ذکر نہیں کیا ہے، یہی حال بلاذری، انساب الاشراف اول ص ۸۱ کا ہے - ان کے ذکر سے یا عدم ذکر سے یہ حقیقت نہیں بدلتی کہ سب سے پہلے آپ نے اپنی ماں کا دودھ پیا تھا - یہ اتنی ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ اس کا ذکر نہ بھی ہو تو مراد یہی ہوتا ہے - نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول ص ۱۷۲، مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم ص ۹۵-۹۶ -

(۱۷) ابن اسحاق و ابن ہشام دونوں نے ثوبیہ کی رضاعت کا ذکر نہیں کیا ہے - اول تذکرہ نگاروں میں ابن سعد، اول، ص ۱۰۸ وغیرہ نے واقدی کی سند پر روایت بیان کی ہے کہ آپ کی اولین دودھ پلائی ثوبیہ تھیں جنہوں نے اپنے فرزند مسروح کے دودھ میں آپ کو شریک کیا تھا اور حلیمہ سعدیہ کے آنے سے قبل کچھ دن (ایام) دودھ پلایا تھا - اس سے قبل ثوبیہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو دودھ پلایا تھا - ابن سعد نے اولین روایت کی تائید میں زہری کی دو روایتیں نقل کی ہیں اور بعض دوسری روایات سے بھی اس کی توثیق کی ہے -

نیز ملاحظہ ہو بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۹۳-۹۴، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول ص ۲۲۲-۲۲۴ ابن ہشام کے محققین کرام نے طبری، الروض الانف، الاستیعاب اور شرح المواہب اللدنیہ کے حوالے سے ثوبیہ کے ذریعہ آپ کی رضاعت کا اپنے حاشیہ نمبر ۲ ص ۱۶۰-۱۶۲ میں ذکر کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ ثوبیہ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو بھی دودھ پلایا تھا - نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ اور ثوبیہ کے علاوہ بھی آپ کی رضاعت کی بعض اور عورتوں نے سعادت حاصل کی تھی - اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی ہے -

اس باب میں سب سے زیادہ قوی روایت بخاری کی ہے - ملاحظہ الجامع الصحیح، کتاب النکاح باب امہات اللاتی ارضعنکم ؛ باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب - نیز مولانا مودودی، سیرت، دوم ص ۹۵-۹۶ -

شبلی نعمانی، اول ص۱۴۲ نے ثویبہ کے دو تین روز دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں دیا ہے شاید قیاس کی بنا پر "ایاما" کا مفہوم لیا ہے۔

(۱۸) ابن اسحاق (اردو) ص۴۲-۴۵ ؛ ابن ہشام، اوّل ص۱۵۹-۱۶۰ ؛ ابن سعد، اول ص۱۰۵-۱۰۸ ؛ انساب الاشراف اوّل ص۹۳-۹۶ ؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اوّل، ص۲۲۳-۲۲۵ ۔

ابن اسحاق نے حلیمہ سعدیہ کی تقرری وتلاش کے بارے میں صیغۂ مجہول استعمال کیا ہے اور یہی ابن ہشام کے ہاں پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک روایت میں واضح طور سے ذکر ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے دودھ پلائیاں (مرضعات) تلاش کی تھیں۔ ابن سعد اور بلاذری کی روایات میں تلاش کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ اور ابن کثیر کی روایات کثیرہ میں یہی ہے۔ البتہ اموی کی ایک روایت میں ہے کہ عبدالمطلب نے دودھ پلائی تلاش کروائی تھی۔ مولانا شبلی، اول ص۱۷۳ کا یہ خیال کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی لیکن خالی بھی نہ جاسکتی تھیں اس لیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی" قیاس پر زیادہ مبنی ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ پھر وہ حضرت آمنہ کی درخواست قبول کرنے کا معاملہ نہ تھا بلکہ حلیمہ سعدیہ کی محرومی اور خالی ہاتھ لوٹنے کا معاملہ تھا۔

نیز ملاحظہ ہو، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص۸۴-۸۵ ؛ مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم ص۹۶-۹۷ نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص۹۶-۹۷ پر شبلی نعمانی کی روایت کا اثر واضح ہے۔

(۱۹) ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما یذھب مذمۃ الرضاع، نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول ص۱۱۱ ؛ ابن کثیر، مذکورہ بالا نے اسی قسم کی کئی روایات بیان کی ہیں۔

(۲۰) مثلاً ابن سعد، اول ص۱۰۹ نے ابن ابی ملیکہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی (رضیع) تھے۔ ان دونوں کو عرب کی ایک عورت نے دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ بن سعد بن بکر کی ایک قوم کے پاس دودھ پلانے کے لیے رکھے گئے تھے۔ حضرت حمزہ کی ماں (رضاعی) نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن جب آپ اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے دودھ پلایا تھا۔ اس سے قبل محققین ابن ہشام کے قیاس کا ذکر آچکا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو صفی الرحمٰن مبارکپوری ص۸۴-۸۵ جنہوں نے بنو سعد کی ایک عورت جو حضرت حمزہ کی ماں (رضاعی) تھیں کے ایک دن آپ کو دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے اور زادالمعاد، اول ص۱۹ کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا مودودی سیرت، دوم، ص۹۸-۹۹

(۲۱) ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول ص۲۳۲ نے اموی کی کتاب المغازی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی

ہے جس کا ایک راوی عثمان بن عبدالرحمن وقاصی اگرچہ ضعیف ہے اور وہ روایت منقطع بھی ہے کہ حضرت سعید بن مسیب پر ختم ہوجاتی ہے تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت پر حلیمہ سعدیہ کو رضاعت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

اجرت حلیمہ سعدیہ سے متعلق بعض روایات ملتی ہیں مگر اختصار کے لحاظ سے ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے البتہ بلاذری، اول ص۹۵ نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب حلیمہ سعدیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئیں تو آپ نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور جب انہوں نے اپنے علاقے کی قحط سالی اور جانوروں کی ہلاکت کا ذکر کیا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے اس باب میں بات کی اور انہوں نے حلیمہ سعدیہ کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ عطا کیا۔ یہ تو بعد میں ممنونِ کرم و شکر گزار فرزند کا حسن سلوک تھا، اجرت و معارضہ نہیں تھا۔

(۲۲) ابن سعد، اول ص۱۰۸ میں دو متضاد روایات ملتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا اور پھر انہوں نے رضاعت کی۔ دوم یہ کہ خدیجہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتی تھیں اور ان کو آزاد کرنا چاہتی تھیں مگر ابولہب نے ان کے ہاتھ بیچنے سے انکار کر دیا۔ البتہ آپ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد آزاد کر دیا تھا۔ نیز بلاذری، اول ص۹۲-۹۳۔

ابن کثیر اول ص۲۲۴ نے اپنے راویوں کی سند پر بیان کیا ہے کہ ابولہب نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری دینے پر ثوبیہ کو فوراً آزاد کر دیا تھا۔

(۲۳) مثلاً نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص۶۶ لکھتے ہیں کہ "حضرت آمنہ چاہتی تھیں کہ اس کا یتیم بھی دیہاتی بدوؤں کے پاس پلے اور فصاحت کے جوہر پیدا کرلے ..... مگر یہاں اسے دولت مند کی "خواہ مخواہ" پذیرائی اور غریب کی بے اعتنائی کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑا ..... مگر آمنہ کے لال کو اس کی یتامت اور غربت کی بنا پر کوئی بھی لینے کے لیے آمادہ نہ ہوئی ....." موصوف نے نہ صرف حلیمہ سعدیہ کے انکار کو غربت پر محمول کیا ہے بلکہ حضرت آمنہ کے غربت کے دکھ درد کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۲۴) ابن اسحاق، ص۴۳: "لیکن جب یہ کہا جاتا کہ آپ یتیم ہیں تو کوئی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوتی، کیونکہ ہم لوگ کہتے تھے کہ بچے کی ماں سے حسن سلوک کی کیا امید ہوسکتی ہے اگر بچے کا باپ ہوتا تو اس سے نیک سلوک کی توقع کی جاسکتی تھی۔" نیز ابن ہشام، اول ص۱۶۳: " اذا قیل لها انه یتیم، وذلك انا انما كنا نرجوا المعروف من ابی الصبی..... وما عسی ان تصنع امه وجده فكنا نكره ذلك ..... نیز بلاذری، انساب الاشراف اول ص۹۳

ابن کثیر، اوّل، مذکورہ بالا۔ حیرت ہے کہ نور محمد غفاری وغیرہ نے اسی کے مطابق یہ روایت بھی نقل کی ہے۔

(۲۵) ابن اسحاق (اردو) ص ۴۲-۴۱ اور ص ۶۱؛ ابن ہشام اول ص ۱۶۸؛ ابن سعد، اول ص ۱۱۶-۱۱۷؛ بلاذری، اول ص ۹۴؛ ابن کثیر، اول ص ۲۴۵۔

ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد اور ابن کثیر نے بی بی آمنہ کی زیارت مدینہ منورہ کا مقصد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ داروں بنو عدی بن النجار/خزرج سے ملاقات بتایا ہے جبکہ بلاذری نے اپنی سند سے انفرادی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوگئی تو آپ کی والدۂ ماجدہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئیں جیسا کہ وہ زیارت کیا کرتی تھیں اور ان کے ساتھ عبد المطلب وام ایمن بھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبد المطلب بنو نجار کے ننہالی رشتہ داروں سے ملنے گئے تھے اور اپنے ساتھ آپ کو اور بی بی آمنہ کو بھی لے گئے تھے۔ یہ دوسری روایت ہے۔

سند کے اعتبار سے بلاذری کے مقابلہ میں اکثریت کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بلاذری کی روایت مجہول ہے جبکہ ابن اسحاق کی روایت یونس بن بکیر کی سند سے عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے۔ یہی ابن ہشام وابن کثیر کے ہاں ہے۔ مؤخر الذکر نے واقدی کی اسانید سے بھی اسی کی توثیق کی ہے۔ جبکہ ابن سعد نے اپنی روایات واقدی کے ذریعہ زہری سے، محمد بن صالح کے ذریعہ عاصم بن عمر بن قتادہ سے اور عبد الرحمٰن بن عبد العزیز کے ذریعہ عبد اللہ بن ابی بکر سے تین سندوں سے بیان کی ہیں۔ مؤخر الذکر سند مرفوع ہے کہ وہ ہاشم بن عاصم اسلمی نے اپنے والد کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔

معلومات کے اعتبار سے بھی ابن سعد کی روایت/روایات سب سے زیادہ مفصل ہیں جبکہ بقیہ کی روایات ایک دوسرے کی نقل معلوم ہوتی ہیں سوائے بلاذری کی انفرادی روایات کے۔

شبلی نعمانی، اول، ص ۱۷۰ نے بلاذری کی مجہول روایت کو "بعض مؤرخین کا بیان کہہ کر ذکر کیا ہے اور اسی کو نہ صرف ترجیح دی ہے بلکہ یہ تبصرہ کیا ہے کہ "لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا، قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔" مولانا موصوف کا یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ زیارت کا مقصد دوستی کی تجدید، رشتہ داروں سے ملاقات خواہ وہ کتنے دور کے ہوں یا محض تبدیلیٔ آب وہوا ہوتا ہے۔

پھر یہ رشتہ اتنا دور کا نہ تھا جتنا کہ مولانا نے سمجھا ہے۔ روایات اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو آپ کے ننہالی رشتہ داروں سے ملانے لے گئی تھیں اور حیات نبوی کے بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رشتہ داری کا ہمیشہ خیال رکھا تھا اور بنو نجار نے بھی اس کا ہمیشہ پاس رکھا۔ جیسا کہ بنو نجار کے

نقیب اور ہجرت کے بعد قیام مدینہ کے باب سے معلوم ہوتا ہے۔ نہ تو مولانا شبلی نے اور نہ ان کے جامع نے ان دونوں روایات کا کوئی حوالہ دیا ہے۔

(۲۹) صفی الرحمٰن مبارکپوری، مثلاً ۵۳ نے بی بی آمنہ کے سفر مدینہ کو متوفی شوہر کی یاد وفا میں سرپرست عبدالمطلب کے ساتھ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور حوالہ میں ابن ہشام، تلقیح الفہوم، تاریخ خضری اور رغزالی کی فقہ السیرۃ کا حوالہ دیا ہے۔ جب کہ ابن ہشام نے تو کم از کم اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ باقی بعد کے مصادر میں ان سے بحث نہیں۔ مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۹۹ نے خاندان بنی عدی بن نجار سے ملاقات کرنے کی روایت قبول کی ہے۔ جبکہ ابن سعد نے اپنی اسانید سے بیان کیا ہے کہ آپ کی والدۂ محترمہ آپ کے ساتھ اور ام ایمن کو لے کر آپ کے ماموؤں (اخوالہ) سے ملاقات کے لیے دو اونٹوں پر سفر کر کے گئیں اور آپ کے ساتھ دار النابغہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔ یہاں ابن سعد کی ایک دلچسپ روایت (ص۹۹) کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد محترم عبداللہ نے اسی دار النابغہ میں وفات پائی تھی۔ اور وہیں مدفون ہوئے تھے اس لیے بلاذری کی روایت کو مفہوم کے لحاظ سے رد کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ابن سعد نے اسی ضمن میں دار النابغہ کا محل وقوع بھی بتایا ہے کہ نابغہ بنو عدی بن نجار کا ایک فرد تھا اور اس کا گھر اس دار (احاطہ) میں واقع تھا کہ جب آپ داخل ہوں تو دویرۃ (چھوٹا گول چبوترہ) آپ کے بائیں ہاتھ ہوگا۔ ابن سعد نے اپنی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے اس قیام کے بعض واقعات یاد تھے اور وہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ نے جب بنو عدی بن نجار کی گڑھی (اُطم) دیکھی تو فوراً پہچان لیا اور فرمایا کہ میں اس اُطم پر انصار کی ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور اپنے ماموؤں کے بچوں کے ساتھ چڑیاں اڑایا کرتا تھا۔" (وکنت مع غلمان من اخوالی نطیر طائرا کان یقع علیہ) اور دار النابغہ کو دیکھ کر فرمایا: "یہاں میری ماں میرے ساتھ اتری تھیں اور اسی احاطہ میں میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر ہے اور میں بنو عدی بن نجار کے کنویں یا تالاب (بئر) میں خوب تیرا کرتا تھا"

ابن سعد اور ابن کثیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسی سفر زیارت کے دوران کچھ یہودی لوگ آیا کرتے آپ کو دیکھا کرتے تھے اور حضرت ام ایمن کی زبان سے اسی روایت میں یہ بھی کہلوایا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو میں نے کہتے سنا تھا کہ "یہ اس امت کا نبی ہے اور یہی ان کا دار ہجرت ہے اور مجھے ان کی یہ بات خوب یاد رہ گئی"۔ ابن کثیر کے ہاں واقدی کی سند پر یہ اضافہ ہے کہ "یہود کے دو آدمی آئے اور فرمائش کر کے آپ کو خوب دیکھا بھالا اور آپ کی نبوت و ہجرت کی پیشگوئی کے علاوہ قتل و غلام بنانے کے امر عظیم کا بھی ذکر کیا۔ آپ کی والدہ نے جب یہ سنا تو خوفزدہ ہو کر واپس ہوئیں مگر ابواء میں انتقال کر گئیں"۔ ابن سعد نے

ام ایمن کے ساتھ آپ کی دو اونٹوں پر واپسی مکہ کا ذکر بھی کیا ہے - آخر میں سب کے ہاں مفصل یا مختصر یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ بعد میں آپ کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی تھی مگر استغفار کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ابن کثیر نے ایسی تمام روایات یکجا کر دی ہیں - ابن سعد وغیرہ نے آپ کے قبر والدہ کی اصلاح کرنے اور رونے کا بھی حوالہ دیا ہے ۔

بی بی آمنہ کے بارے میں کل یہی تفصیلات ملتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں اور ایک دو روایات مل جائیں مگر ان سے نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ مکرمہ سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور نہ آپ کی پرورش و پرداخت کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کی تربیت و پرورش میں آپ کے ننھالی رشتہ داروں بنو عدی بن نجار کے حسن سلوک کا ذکر ضرور ملتا ہے خواہ وہ کس قدر مختصر اور غیر اہم کیوں نہ رہا ہو۔

ہمارے جدید عہد کے بیشتر مؤلفین سیرت نے ان واقعات کا اسی سیاق میں ذکر کیا ہے مثلاً صفی الرحمن مبارکپوری ص ۸۶-۸۷

شبلی نعمانی، اول ص ۱۶۵، ان کا مختصر ذکر کیا ہے اور اسی طرح مختصر ذکر مولانا مودودی، سیرت، دوم ص ۹۰-۹۱ -

(۲۷) اس کی بعض جزئیات کا ذکر آگے گیا ہے - مثلاً مولانا مودودی، سیرت، دوم ص ۱۰۱ نے طالب بن ابی طالب کے بارے میں کہا ہے کہ "اس کو حضور سے بے انتہا محبت تھی"۔ مولانا مودودی ص ۱۰۳ نے ابن سعد کے حوالے سے پھوپھیوں کی محبت کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ نیز ص ۹۶-۹۷ پر ابوسفیان بن حارث کی محبت رسول کا حوالہ ہے - ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم ص ۴۸-۴۹، بلاذری، اول ص ۹۱-۹۲ - ابولہب کے بارے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام سے قبل آپ کی دو بیٹیوں سے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں کی نسبت کی تھی۔

(۲۸) ابن اسحاق (اردو) ص ۴۱-۴۲ ابن ہشام اول ص ۱۶۴-۱۶۵، ابن سعد، اول، ص ۱۰۲-۱۰۳، ص ۱۱۰-۱۱۱، ابن کثیر، اول ص ۲۴۳-۲۴۴ - یہ اہم بات ہے کہ بلاذری نے ان کو زیادہ تر نظر انداز کیا ہے - جبکہ ابن کثیر نے ان کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے - بلکہ ان کے لیے ایک سے زیادہ فصلیں قائم کی ہیں - مولانا شبلی، اول ص ۱۷۰ اور صفی الرحمن مبارکپوری ص ۸۳ وغیرہ نے ان کو خوبصورتی سے نقل کرکے گریز کیا ہے - نیز ملاحظہ ہو مولانا مودودی، سیرت دوم ص ۹۳-۹۴ -

(۲۹) ابن اسحاق، (اردو) ص ۹۱، ابن ہشام، اول ص ۱۹۸، ابن کثیر، اول ص ۲۳۸-۲۳۹۔ بلاذری، اول ص ۹۶ نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابن سعد، اول ص ۱۱۶-۱۱۷ میں یہ واقعہ مختصراً بطور بیانیہ بیان ہوا ہے اور تفصیل نہیں ہے -

مولانا شبلی، اول ص ۱۷۶ نے دادا کی تربیت کو ڈیڑھ سطری جملہ میں بیان کر دیا ہے کہ "دامن تربیت

میں لیا پیشتا ایکوا اپنے ساتھ رکھتے تھے ؟ اور اسی کے حاشیہ ۲ میں حوالہ تو کوئی نہیں دیا البتہ مارگولیتھ کے خیال خام پر بسیط طور پر تبصرہ کیا ہے۔ البتہ صفی الرحمٰن مبارکپوری ص۸۸ نے مختصراً ذکر کیا ہے اور مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا ہے اور بس۔ نور محمد غفاری، ص۶۸-۶۹ نے تفصیلات نہ ملنے کا شکوہ کرتے ہوئے صرف عام ارشادات کا ذکر کیا ہے۔

(۳۰) ابن اسحاق، (اردو) اول ص۶۱، ابن ہشام اول ص۱۶۸ میں یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ وہ بلاذری، کے ہاں بھی غائب ہیں۔ صرف ابن سعد، اول ص۱۱۷-۱۱۹ اور ابن کثیر اول ص۲۳۹-۲۴۱ کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ مؤخر الذکر نے آپ کے دادا کے جنازے میں شرکت کرنے کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ مولانا شبلی، اول ص۱۷۶ نے سارے واقعات نظر انداز کر کے جنازہ کا واقعہ بلا حوالہ و سند نقل کیا ہے۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری ص۸۸ نے عام تربیت و محبت اور فرش والے واقعہ کے علاوہ اور کچھ نہیں بیان کیا۔ مولانا مودودی، سیرت دوم ص۱۰۰ نے نسبتاً زیادہ تفصیلات دی ہیں۔

(۳۱) مثلاً غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے اوّل دہلہ میں راہِ فرار اختیار کرنے پر آپ نے پکارا تھا:- انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب۔ ابن سعد دوم، ص۱۵۱ بخاری، باب غزوۂ حنین / باب قول اللہ تعالیٰ: ویوم حنین .... الی قولہ غفور رحیم۔

مولانا شبلی، اول ص۵۳۹ نے صحیح بخاری، جلد دوم ص۶۲۱ غزوۂ دیا ہے اور قوسین میں جامع ندوی نے (طائف) کا اضافہ کیا ہے۔

(۳۲) ابن اسحاق (اردو) ص۶۲، ابن ہشام، اول، ص۱۵۳، ص۱۷۹؛ ابن سعد اول ص۱۱۸؛ ابن کثیر، اول ص۲۴۰-۲۴۱ سوائے ابن سعد کے اور سب نے ابوطالب و عبد اللہ کے حقیقی بھائی ہونے کا ذکر کیا ہے بلاذری، اول ص۹۶ نے عبد المطلب کی وصیت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف کفالت ابی طالب کا ذکر کیا ہے۔

جدید مؤلفین سیرت میں ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول ص۱۷۶-۱۷۷ انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اسی طرح صفی الرحمٰن مبارکپوری نے "شفیق چچا کی کفالت میں" سرخی لگائی ہے مگر حوالے دینے سے گریز کیا ہے۔ مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۱۰۱ نے لکھا ہے کہ بعض روایات کی رو سے ان کی وصیت کے مطابق اور بعض دوسری روایات کے مطابق بطور خود ابوطالب نے حضور کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص۶۹ تو یہاں تک دعوی کرتے ہیں کہ "عبد المطلب کے دس بیٹوں میں ابوطالب ہی آپ کے حقیقی چچا تھے۔

(۳۳) ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول ص۲۳۲ نے یہ روایت اموی سے نقل کی ہے جس کی سند پہلے

نقل ہو چکی ہے۔ اور خود ہی عثمان بن عبدالرحمن وقاصی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن اسحاق کے سیاق کے خلاف ہونے کے سبب اس کو نقل کیا ہے۔ ابن کثیر کا طریقہ نقل روایات یہ ہے کہ وہ جن روایات کو کمزور و ضعیف سمجھتے ہیں ان کے بارے میں رائے دیتے یا ان پر نقد کرتے ہیں۔ یہ ان روایات میں سے ہے جن پر انہوں نے کوئی نقد یا تبصرہ نہیں کیا ہے۔

ابن کثیر کے طریقہ نگارش پر ملاحظہ ہو مسعود الرحمن خان ندوی، ابن کثیر کمؤرخ، مسلم یونیورسٹی مطبوعات علی گڑھ ۱۹۸۰ء، صفحات ۶۰-۱۴۱ اور پروفیسر موصوف کا مضمون "اسلامی تاریخ نگاری اور ابن کثیر کا طریقہ کار"۔ نقوش شمارہ ۱۳۸ لاہور ۱۹۹۰ء، صفحات ۶۹-۶۸۔

(۳۴) ابن اسحاق (اردو) ص ۲۱ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے باپ (ابیہ) کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ وہ اور زبیر اور ابوطالب تینوں مسماۃ فاطمہ بنت عمرو..... مخزوم کے بطن سے تھے"؛ ابن ہشام، اول ص ۱۰۹ میں مزید وضاحت یہ ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹوں عبداللہ، ابوطالب اور زبیر کی بلکہ صفیہ کے سوا تمام بیٹیوں کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں؛ ابن سعد، اول ص ۹۳ نے عبدالمطلب کی اولادوں کے ذکر میں کہا ہے کہ ان کے بارہ فرزند اور چھ دختروں میں..... عبداللہ اور زبیر تھے جو شاعر و شریف تھے اور انہیں کو عبدالمطلب نے وصیت کی تھی (وصی بنایا تھا: والیہ اوصی عبدالمطلب) اور ابوطالب تھے جن کا نام عبدمناف تھا اور عبدکعبہ تھے جو مر گئے اور بے نشان و بے اولاد رہے اور ام حکیم، جو البیضاء کہلاتی ہیں عاتکہ، تبرہ، امیمہ اور اروی تھیں اور ان سب کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں.....؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۸۶ نے ان اولادوں کے ذکر کے علاوہ اور مزید معلومات بھی بہم پہنچائی ہیں۔ زبیر کے بارے میں کہا ہے کہ "وہ قریش کے حکام میں سے ایک تھے اور عبداللہ و ابوطالب دونوں سے بڑے تھے۔ اور ان سب کی ماں ایک تھیں"۔ ابن کثیر، اول ص ۱۰۳ نے اسی کی تائید میں ابن ہشام کی روایت اپنی تعلیقات سمیت نقل کر دی ہے بلاذری، اول ص ۲ نے وصیت عبدالمطلب کے بارے میں مزید تصریح کی ہے کہ عبدالمطلب نے زبیر کو وصی بنایا تھا اور زبیر نے ابوطالب کو اور ابوطالب نے عباس کو اور یہ حقیقی واقعات کے مطابق بھی معلوم ہوتی ہے۔

ان تمام مصادر اصل اور مآخذ انساب سے واضح ہوتا ہے کہ ابوطالب کی طرح زبیر بھی آپ کے حقیقی چچا تھے اور اگر یہی بوجہ وصیت پدری تھی تو زبیر زیادہ مستحق تھے کہ وہ بڑے بھی تھے، باپ کے وصی بھی تھے اور شفیق بھی تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ تمام مؤلفین سیرت نے اس حقیقت کو دانستہ یا غیر دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ اسے کم از کم صحیح تاریخ نگاری یا اسلامی سیرت نویسی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ "وکالت بیجا" اور "حمایت پسندیدہ" کے ضمن میں آتی ہے۔ اور قارئین کو گمراہ کرتی ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں روایات نقل کر کے ترجیح خواہ کسی کو دی جاتی

روایات سے گریز واجتناب " وفور شوق " اور " غلوئے عقیدت ومحبت " کا غماز ہونے کے علاوہ "حق و صداقت پر تیشہ زنی" کے بھی مترادف ہے ۔

(۳۵) ملاحظہ ہو مرتبین ومحققین ابن ہشام کا حاشیہ ۲ ص ۱۰۸ ۔ افسوس کہ انہوں نے اپنی معلومات کی یہاں تصریح نہیں کی ہے لیکن دوسرے حواشی وتعلیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلومات سیرت ابن ہشام کا شرح وغیرہ جیسے سہیلی کی الروض الانف ، زرقانی کی شرح المواہب اللدنیہ وغیرہ سے نقل کی ہیں ۔ مزید افسوس یہ کہ یہ کتابیں سردست میری دسترس سے باہر ہیں ورنہ ان کی تائید/تردید یا تشریح میں باسندبات کہی جاتی ۔

(۳۶) بلاذری ، اول ص ۹۲ نے آپ کے والد مکرم عبداللہ کی وفات کے بارے میں تین روایتیں بیان کی ہیں اور سوم روایت میں جو " یقال " سے شروع ہوتی ہے یہ تصریح موجود ہے کہ ان کے والد نے ان کی بیماری کی خبر سن کر زبیر بن عبدالمطلب کو بھیجا تھا ۔ جو ان کے بھائی تھے اور وہ عبداللہ کی تدفین کے وقت موجود رہے تھے ۔ اگر " یقال " کی روایت بالعموم مؤلف سیرت اور ناقدین کے نزدیک مجروح ، ضعیف یا کمتر درجہ کی ہوتی ہے مگر یہ روایت یوں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اسی روایت میں عبداللہ کے غزہ سے سامانِ تجارت کے ساتھ واپس آنے ، مدینہ منورہ بیمار ہو کر پہنچنے اور اپنے باپ کے ماموؤں کے گھر اترنے اور وہیں وفات پانے کا ذکر ہے اور اسی کو بقیہ تمام راویوں اور سیرت نگاروں نے صحیح سمجھ کر قبول کیا ہے ۔ اور بقیہ روایات جو عبداللہ کے مقصد سفر کے بارے میں آئی ہیں مسترد کر دی ہیں ۔ ملاحظہ ہوں ابن اسحاق ، ابن ہشام ، ابن سعد ، ابن کثیر وغیرہ کی روایات وترجیحات ۔ مگر غالباً بلاذری کے نزدیک یہ روایت زیادہ صحیح نہیں ہے اسی لیے اس کو " یقال " سے ذکر کیا ہے ۔

(۳۷) آپ کے جد امجد عبدالمطلب کے والد ہاشم بن عبد مناف نے اپنی شامی تجارت کے آخری سفر کے دوران جس میں ان کی وفات بھی ہو گئی مدینہ منورہ کے خاندان خزرج کے گھرانے بنو عدی بن النجار کی ایک خاتون سلمیٰ بنت عمرو/عبداللہ بن زید سے شادی کی تھی اور اسی سے عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے ۔ اس لیے وہ بنو عدی بن النجار عبداللہ ، ابو طالب و زبیر کے زیادہ قریبی اخوال تھے کہ یہ تینوں حقیقی بھائی تھے ۔ جبکہ دوسرے بھائیوں کی مائیں مختلف تھیں ۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام اول ص ۱۰۷ ، ص ۱۳۷ ؛ ابن سعد ، اول ص ۷۹-۸۰ ؛ بلاذری ، اول ص ۶۴ ابن کثیر ، اول ص ۱۰۲ ۔ مؤخر الذکر میں صرف عبدالمطلب کی ماں کا ہی نام مذکور ہے ۔

(۳۸) ابن سعد ، اول ص ۹۲-۹۳ نے صرف حارث کے باپ کی زندگی میں مرنے کا ذکر کیا ہے جبکہ بلاذری ، اول ۶۹ نے تصریح کی ہے کہ جس سال عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے پر اونٹ قربان کیے تھے یعنی عبداللہ کی زندگی بچانے کے لیے اسی سال حارث بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور اس وقت ان کے فرزند ربیعہ بن حارث کی عمر دو سال

تھی۔ اسی کے متصلاً بعد بلاذری نے واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اونٹوں کی نذر وقربانی واقعۂ فیل سے پانچ سال قبل ہوئی تھی اور ربیعہ بن حارث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال بڑے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حارث کا انتقال عبداللہ کی وفات سے چھ سات ماہ پہلے ہوا تھا۔ مزید روایات نظر انداز کی جاتی ہیں۔

(۳۹) ابن اسحاق، (اردو) ص۶۶ نے اس کا ترجمہ "لوگوں کا گمان ہے" سے کیا ہے؛ ابن ہشام، اول ص۱۶۹ کے ہاں ۔ فیما یزعمون۔ عبدالمطلب کے وصیت کرنے سے متعلق ہے۔

(۴۰) ابولہب کی محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ثبوت تو آپ کی ولادت پر اس کی خوشی اور آپ کی رضاعت کے لیے ثوبیہ کی تقرری تھی۔ دوسری روایات سے اس کی آپ سے محبت وشفقت کا پتہ چلتا ہے اس کی دشمنی وعداوت کا سبب تو اسلام تھا اور جاہلیت میں تو وہ آپ کے دوسرے چچاؤں کی طرح شفیق و کریم ہی تھا۔ ابن سعد، اول ص۹۳ نے اس کو "جواد" (سخی) کہا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مولانا مودودی، سیرت دوم ص۶۲۵ کا وہ بیان جب اس نے ابوطالب کی موت کے بعد آپ کی حمایت کا ارادہ کیا تھا مگر پھر حمیتِ جاہلی نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس کے ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو ابن سعد، اول ص۲۱۱-۲۱۰

(۴۱) کفالت ابی طالب کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، (اردو) ص۶۸، ابن ہشام، اول ص۱۷۹، ابن سعد اول ص۱۲۱-۱۱۹، بلاذری، اول ص۹۶؛ ابن کثیر، اول ص۲۴۱-۲۴۳

جدید مؤلفین سیرت میں مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۱۰۱ نے سب سے زیادہ مفصل بیان لکھا ہے۔

(۴۲) ابن سعد، ہشتم، ذکر فاطمہ بنت اسد؛ زبیری، ص۳۰؛ اصابہ، نساء ص۱۵ اور ص۴۳۱

(۴۳) ابن اسحاق، (اردو) ص۶۸-۷۰، ابن ہشام، اول ص۱۸۳-۱۸۰؛ ابن سعد، اول ص۱۲۱-۱۱۹؛ بلاذری، اول ص۹۶-۹۷؛ ابن کثیر، اول ص۲۴۳-۲۴۹۔

مولانا شبلی نعمانی، اول ص۱۸۱-۱۸۰؛ مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۱۰۹-۱۰۳ نے اس واقعہ کے علاوہ بحیرا راہب کے قصہ اور دوسری پیش گوئیوں سے مفصل بحث کی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء ص۷۴۰-۷۹۱ نے اس پر سب سے مفصل تجزیہ کیا ہے۔

(۴۴) مثلاً مارگولیتھ، مذکورہ بالا ص۴۵-۴۷۔

ابن سعد، اول ص۱۲۶ کی ایک روایت جو اس موضوع پر پانچویں ہے یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ میں اپنے اہل کی بکریاں اجیاد میں چرایا کرتا تھا (و... و بعثت وانا ارعی غنم اھلی باجیاد) اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ اہل سے مراد آپ اپنے اہل پہلے ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق، (اردو) ص۷۴-۷۵ اور ابن ہشام اول

سے اپنی بکریاں چرانے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ ابن کثیر اول ص ۲۵۲ میں "ونحن فی رعاء غنم أهلنا" ہے

(۴۵) ابن ہشام، اول ص ۱۹۶؛ ابن سعد، اول ص ۱۲۵-۱۲۶؛ ابن کثیر اول ص ۲۲۷ میں ہے: "فی بہم لنا"۔

(۴۶) بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط؛ ابن ماجہ، سنن، کتاب التجارات، باب الصناعات؛ شبلی نعمانی، اول ص ۱۷۷، حاشیہ ۱۔

امام بخاری نے ایک روایت، کتاب بدء الخلق، باب یعکفون علی اصنام لہم میں بھی نقل کی ہے۔ جس سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مختصر ہے۔

مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۰۱ اور نور محمد غفاری، مذکورہ بالا ص ۴۱ نے اجرت ہی پر آپ کے بکریاں چرانے کا ذکر کیا ہے اور اسی روایت کو دوسری روایات نقل کے باوجود ترجیح دی ہے۔ مولانا مودودی نے یہ بھی کہا ہے کہ مکہ کے جغرافیہ میں کسی مقام کا نام قراریط ہونا ثابت نہیں ہے"۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اردو ترجمہ، نذیر حق، نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۵۱۹ نے کہا ہے کہ "وہ اپنے ایک ہمسایہ ابو معیط کی بھیڑیں چرانے لگے .... اس کے علاوہ وہ اپنے چچا کے کپڑے وغیرہ کی دکان میں بھی ہاتھ بٹانے لگے اور بالآخران کی جگہ دکان داری ہی کرنے لگے ....؛ مگر اس کا حوالہ نہیں دیا ہے

(۴۷) مثلاً ملاحظہ ہو: عبدالسلام مبارکپوری، سیرۃ البخاری، اظہر بک ڈپو دہلی ۱۹۸۶ء، ص ۸۰-۱۹۰۔ بخاری کے تراجم ابواب کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس پر مستقل تصانیف لکھی گئیں۔ علامہ مبارکپوری نے پانچ ایسی کتابوں کے نام گنائے ہیں۔

(۴۸) مولانا مودودی، نور محمد غفاری کے حوالے اوپر حاشیہ ۴۶ میں آچکے ہیں۔

صفی الرحمن مبارکپوری، ص ۹۲۔

(۴۹) مثلاً: ابن سعد، اول ص ۱۵۳ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے قبل علامات نبوت کے باب میں حضرت ابوطالب کے ساتھ بازار ذوالمجاز میں آپ کی موجودگی کا حوالہ دیا ہے۔ اگرچہ اس میں تجارت وکاروبار کا کوئی ذکر نہیں تاہم وہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا۔ نور محمد غفاری، ص ۵۰ نے ابوطالب کے ساتھ بعض تجارتی سفر کرنے کا ذکر تو کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔

(۵۰) بلاذری، انساب الاشراف اول ص ۹۷۔

(۵۱) سید سلیمان ندوی نے آپ کے سن رشد کو پہنچنے پر تجارت کا پیشہ اختیار کرنے کی بات کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۱۸۵۔ نیز شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۸۸ء، اول ص ۱۶ نے سید صاحب کی بات نقل کر دی ہے۔

بیشتر مؤلفین سیرت نے حضرت خدیجہ کی تجارت اور پھر شادی ہی کے ضمن میں آپ کی تاجرانہ زندگی کا ذکر کیا ہے لیکن نقطۂ آغاز کا ذکر نہیں ہے۔

(۵۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد و آباء میں سے ہاشم بن عبد مناف، عبد المطلب، عبد اللہ وغیرہ تقریباً سب کی کم و بیش یہی عمر تھی جب انہوں نے تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ تلاش و جستجو سے مزید مثالیں مل سکتی ہیں ملاحظہ ہوں: ابن اسحاق، ابن ہشام، بلاذری، ابن کثیر وغیرہ میں ان حضرات کی عمریں اور تجارت کے واقعات۔

(۵۳) مثال کے طور پر صفی الرحمن مبارکپوری ص۹۲ کا بیان ملاحظہ ہو "مکہ میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے تھے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے"۔ مصنف موصوف نے اس سے پہلے آپ کی تجارت کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے جبکہ مولانا شبلی، اول ص۱۸۵-۱۸۰ نے بلکہ ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے آپ کی تجارت کے نقطۂ آغاز سے اچھی بحث کی ہے نیز ملاحظہ ہو: مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۱۳-۱۱۱ نے حضرت خدیجہ کی تجارت کے ضمن میں ہی آپ کی تجارت کا ذکر کیا ہے۔

(۵۴) مضاربت کے طریقے کے لیے حضرت خدیجہ اور حضرت ابو سفیان کے ساتھ تجارت کے واقعات شاہد ہیں۔ قدیم و جدید تمام سیرت نگاروں نے مضاربت کے طریقے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابن ہشام، اول ص۱۸۸ نے حضرت خدیجہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے مال کے لیے اجرت پر لیتی تھیں اور ان کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرتی تھیں اور ان کو کچھ معاوضہ دیتی تھیں۔ تستاجر الرجال فی مالها وتضاربهم اياه بشئ تجعله لهم۔

(۵۵) شبلی نعمانی، اول ص۱۸۵-۱۸۰ نے ان تین شرکاء تجارت نبوی کا ذکر سنن ابی داؤد، جلد دوم ص۳۲۶، کتاب الادب، باب فی الوعد، اور ابو داؤد جلد دوم ص۳۱۷ اور اصابہ جلد پنجم ص۲۵۳ ترجمہ حضرت قیس بن سائب کے حوالے سے کیا ہے۔ جبکہ حدود سفر کے لیے، نور النبراس فی شرح ابن سید الناس اور مسند امام احمد بن حنبل چہارم ص۲۰۶ کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلومات انہیں سے ماخوذ ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: مولانا مودودی، سیرت، دوم ص۱۳-۱۱۱ نے آپ کے شرکائے تجارت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جبکہ نور محمد غفاری، ص۷۶-۷۵ نے مولانا شبلی کی بیان کردہ روایات مع حوالہ جات نقل کر دی ہیں اور مولانا موصوف کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ تفصیل محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا ص۲۳-۵۲۲ کے یہاں حضرت خدیجہ کی تجارت و شادی کے ضمن میں ملتی ہے اور وہ بھی مختصر۔

(۵۶) ابن اسحاق (اردو) ص۷۶، ابن ہشام، اول ص۹۰-۱۸۷؛ ابن سعد، اول ص۳۳-۱۳۰؛ بلاذری، اول ص۹۷؛ ابن کثیر اول ص۶۳-۲۶۲۔

نیز ملاحظہ ہو : شبلی نعمانی، اول ص ۱۸۵-۱۸۳؛ صفی الرحمٰن مبارکپوری، اول ص ۹۳-۹۲ ؛ مولانا مودودی سیرت، دوم ص ۱۱۲-۱۱۱ ؛

(۵۷) اس کی تائید ابن کثیر اور سید سلیمان ندوی وغیرہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا تفصیلات سے بھی ہوتی ہے ابن کثیر، اول ص ۲۶۶ پر حضرت جابر سے مروی ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ "میں نے خدیجہ کے لیے اجرت پر دو سفروں میں کام کیا اور بدلہ میں ایک اونٹنی (قلوص) پائی"۔ یہ بیہقی کی روایت ہے جس کا ایک راوی ربیع بن بدر بقول ابن کثیر ضعیف ہے۔

(۵۸) ابن کثیر، اول ص ۱۲۳-۱۳۰ -

(۵۹) انساب الاشراف، یروشلم چہارم (الف) ص ۱۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو : محمد جاسم حمادی مشہدانی، موارد البلاذری عن الأسرة الأموية فی أنساب الأشراف، مکتبۃ الطالب الجامعی، مکہ مکرمہ ۱۴۰۶ھ اول ص ۱۹۷ -

(۶۰) مثلاً حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام وغیرہ متعدد صحابہ کرام کی تجارت کے حوالے ملتے ہیں -

(۶۱) ابتدائی تفاسیر کے لیے طبری اور ابن جریر وغیرہ کے ہاں ایسی روایات کا مطالعہ کیا جائے - اختصار کے خیال سے ان کا تجزیہ چھوڑا جا رہا ہے -

شاہ عبدالقادر دہلوی، موضح القرآن، تاج کمپنی، لاہور کراچی غیر مؤرخہ ص ۱۰۰۰ فرماتے ہیں "حضرت خدیجہ اپنی بھی قوم میں اشراف تھیں اور مالدار، ان سے نکاح ہوا - سب مال انہوں نے حاضر کیا"۔

مولانا شبیر احمد عثمانی، قرآن مجید مترجم و محشی، دار التصنیف کراچی ۱۹۷۵ء، ص ۷۷۹ حاشیہ ۱، "اس طرح کہ حضرت خدیجہ کی تجارت میں آپ مضارب ہو گئے - اس میں نفع ہوا، پھر حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا، یہ تو ظاہری غنا تھا، باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے"۔ ...

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء، جلد ششم ص ۳۷۳-۳۷۲، حاشیہ ۸ میں فرماتے ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک لونڈی چھوڑی تھی اس طرح آپ کی زندگی کی ابتداء افلاس کی حالت میں ہوئی پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہ نے پہلے تجارت میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کیا - اس کے بعد انہوں نے آپ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ نے سنبھال لیا - اس طرح آپ نہ صرف یہ کہ مالدار ہو گئے"

بلکہ آپ کی مالداری اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا" اور سیرت سرور عالم، دوم ص۱۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد حضور کی مفلسی کا دور ختم ہو گیا۔"

مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء، جلد نہم ص۴۰۹-۴۱۷ "... اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ سے کچھ فائدہ پہنچا تو یہ حضرت خدیجہ اور ان کے مال کی ایسی خوش بختی ہے جو اس زمین پر کسی مال اور کسی صاحب مال کو مشکل ہی سے حاصل ہوئی ہو گی لیکن وہ غنا جس کا یہاں ذکر ہے مجرد مال سے..... نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ اصلاً اس ہدایت کا ثمرہ ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہے۔ اور جس کی صحیح تعبیر وہ "شرح صدر" ہے جس کی تفصیل بعد کی سورۂ الم نشرح میں آئے گی۔ جن لوگوں نے اس غنا کو تمام تر حضرت خدیجہ کے مال کا نتیجہ قرار دیا ہے ان کی نظر صرف ظاہر پر اٹک گئی ہے..... بلکہ اصلاً اس سے دین کی وہ حکمت اور شریعت کی وہ دولت مراد ہے جس کی شان قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے " ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً..... "

علامہ عبداللہ یوسف علی، The Holy Quran، امانہ کارپوریشن، برنٹ وڈ، میری لینڈ ۱۹۸۹ء، ص۱۶۹۳، حاشیہ ۶۱۸۲ کے خیال کا اردو ترجمہ یہ ہے " ہمارے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یتیم تھے، آپ کے والد عبداللہ آپ کی ولادت سے قبل نوجوانی میں انتقال کر گئے تھے اور کوئی جائداد نہیں چھوڑ گئے تھے (Leaving no Property)..." حاشیہ ۶۱۸۴ میں فرماتے ہیں کہ مقدس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کوئی جائداد وراثت میں نہ پائی اور وہ غریب تھے۔ حضرت خدیجہ کی سچی، خالص اور وفادارانہ محبت نے نہ صرف آپ کو ضروریات سے مستغنی کیا بلکہ آپ کو بعد کی زندگی میں تمام دنیاوی ضروریات سے آزاد کر دیا تاکہ آپ اپنا پورا وقت خدمت الٰہی میں بسر کر سکیں۔"

ان تمام تفسیری آرا اور ان جیسی دوسری خیال آرائیوں کا ہم تجزیہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ۔ شاہ عبدالقادر اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کے مادی غنا کے لیے حضرت خدیجہ کے مال کی حاضری کو اصل سبب قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی نے دولت خدیجہ میں آپ کی محنت و قابلیت کو بھی شامل کر لیا ہے مولانا اصلاحی نے بہرحال مادی غناء نبوی کو دولت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شاخسانہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے آیت کریمہ میں مراد غنا سے مادی غنا یا مجرد مال نہیں سمجھا بلکہ "شرح صدر" اور " غنائے حکمت دین و شریعت" قرار دیا ہے جس طرح مولانا عثمانی نے اس آیت کریمہ میں ظاہری غنا کے ساتھ ساتھ قلبی اور باطنی غنا بھی مراد لیا ہے۔

یہ چند مثالیں بطور نمونہ دی ہیں۔ مکمل بحث کے لیے ہمارے اگلے مضمون کا انتظار مفید و وجہ تسکین رہے گا۔

(۶۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی، قاہرہ غیر مؤرخہ، جلد چہارم ص ۵۲۳؛ شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ قرآن کریم فارسی، تاج کمپنی لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۷۲۳، بقیہ مفسرین و مترجمین کے لیے مذکورہ بالا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۶۳) عائل کے عربی مفہوم کے لیے ملاحظہ ہو: ابن منظور، لسان العرب، مادہ ع ی ل اور دوسری لغات و تفاسیری کتب۔

قرآن مجید میں مادی غنا کے مقابل مادی فقر کے لیے لفظ "فقر" کے استعمال کے لیے ملاحظہ ہو: قرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۸؛ سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۱؛ سورۂ حج ۲۸؛ سورۂ قصص ۲۴؛ سورۂ نساء ۶ اور ۱۳۵۔ اسی طرح قرآن مجید نے صدقات و زکوٰۃ کے لیے فقراء اور دوسرے سیاق میں سات جگہ استعمال کیا ہے: سورہ بقرہ ۲۷۱ اور ۲۷۳؛ توبہ ۶۰؛ نور ۳۲؛ فاطر ۱۵؛ محمد ۳۸ اور حشر ۸۔ جبکہ ع ی ل کے مادہ کا دو جگہ ذکر آیا ہے اور دوسری جگہ سورۂ توبہ ۲۸ کی آیت کریمہ ہے وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا ترجمہ درویشی سے کیا ہے جبکہ ان کے فرزند موصوف نے "فقر" سے۔ مولانا محمود حسن نے بھی یہی مراد لیا ہے جبکہ مولانا مودودی نے تنگدستی ترجمہ کیا ہے اور مولانا اصلاحی نے ترجمہ تو "معاشی بدحالی" کیا ہے مگر الفاظ کی تشریح میں عیلۃ کے معنی فقر و مفلسی کے بتائے ہیں۔ ابن کثیر نے ابن اسحاق کی تشریح کی سند پر مشرکین کے داخلہ مسجد حرام کی ممانعت کی صورت میں بازاروں کے بند ہونے کے سبب کساد بازاری اور اس کے نتیجہ میں سہولیات و ضروریات (مرافق) سے محرومی مراد لی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس مقام پر مفہوم کساد بازاری ہی کا لیا ہے اگرچہ معنی فقر و غلسی کے قرار دیے ہیں۔

(۶۴) ابن ہشام، اول ص ۲۰۲-۲۰۳ نیز محققین کا حاشیہ ۱ جو سہیلی کی "الروض الأنف" کے حوالہ سے بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج اور وقوف عرفہ کا ثواب فوت نہیں ہوتا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۲۵۴ جنہوں نے ابن اسحاق کے علاوہ امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی کی روایات کے علاوہ اپنی رائے بھی بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، (اردو) ص ۹۳-۹۴؛ ابن ہشام، اول ص ۲۰۲-۲۰۳۔

عرب حمس نام تھا جو قریش نے نسلی نخوت کے اظہار کے لیے اختیار کر لیا تھا اور وہ اصلاً دین و صلابت میں شدت کا نام تھا۔ اس لیے وہ حج کے مناسک میں سے بعض اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے اور دوسری خرافات بھی ایجاد کر لی تھیں۔ ابن ہشام کے مذکورہ بالا حوالہ کے ساتھ ملاحظہ ہو ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ اول ص ۲۸۴-۲۸۵۔

(۶۵) ابن ہشام، اوّل ص ۲۳۶ یہی روایت وتفصیل ابن اسحاق، ابن کثیر کے ہاں بھی پائی جاتی ہے - ملاحظہ ہو ابن اسحاق، (اردو) ص ۱۲۱ کا بیان "آپ کی عبادت میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ کے پاس قریش کے جو مساکین آتے تھے آپ ان کو کھانا کھلاتے تھے"۔

(۶۶) بخاری، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدء الوحی؛ ابن اسحاق (اردو) ص ۱۲۳ ؛-

(۶۷) ابن ہشام اول ص ۱۹۰ ؛ دوم ص ۶۴۳ ؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۲۶۳ مہر خدیجہ کے لیے اور کفالت حضرت علی کے لیے ملاحظہ ہو، ابن ہشام، اول ص ۲۳۶ اور دوسرے متعدد قدیم وجدید مآخذ۔

(۶۸) ابن ہشام، دوم ص ۶۴۴ میں چار سو درہم ہے جبکہ مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق اور ابن ماجہ، کتاب النکاح باب صداق النساء میں ساڑھے بارہ اوقیہ جس کی قیمت بقول حضرت عائشہ پانچ سو درہم ہوتی ہے بیان ہوا ہے - ابن ماجہ نے ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ کا مہر "متاع بیت" تھا جس کی مالیت پچاس درہم تھی۔ مگر یہ روایت اس کے ایک راوی عطیہ عوفی کے سبب ضعیف قرار دی گئی ہے۔

(۶۹) ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اوّل ص ۱۵۷-۱۵۶

(۷۰) اس کے لیے ابن سعد، جلد ہشتم کی وہ فصول ملاحظہ ہوں جو بنات مطہرات کے لیے مخصوص ہیں - نیز دوسری ثانوی کتابوں میں ان کی تزویج وغیرہ سے متعلق تفصیلات بھی۔

(۷۱) ابن ہشام، اول ص ۲۹۰

(۷۲) ابن ہشام، اول ص ۴۸۲-۴۸۳

(۷۳) ابن ہشام، اول ص ۴۱۵-۴۱۶

(۷۴) آپ کے لباس کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول ص ۴۴۹-۴۶۱ وغیرہ

(۷۵) ابن ہشام اول ص ۲۳۸ ؛ ابن سعد اوّل ص ۴۹۰ -

(۷۶) ابن سعد، اول ص ۴۹۰-۴۹۷ مثلاً بلاذری، اول ص ۴۷۷ پر ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدہ سے ایک باندی سلمیٰ نامی وراثت میں پائی تھی جس کی شادی بعد میں ابو رافع سے کر دی اور دونوں کو آزاد کر دیا تھا - غلامان نبوی کے لیے ملاحظہ ہو بلاذری، اول ص ۴۷۳-۴۷۷ ؛ ابن سعد، اول ص ۴۹۷-۴۹۹ -

(۷۷) ابن ہشام اول ص ۴۸۷ ابن سعد، اول ص ۴۹۲ کا واضح بیان ہے کہ آپ نے چار سو درہم میں وہ حضرت ابوبکر سے خرید لی تھی۔

(۷۸) ابن اسحاق (اردو) ص ۱۴۹-۱۵۰ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۲۵۵-۲۶۶ جنہوں نے اس پر مکمل فصل باندھی ہے اور متعدد روایات حدیث وسیرت کے مآخذ سے نقل کی ہیں - آپ کے مال والی حدیث کے

الفاظ صحیح مسلم سے یوں نقل کیے ہیں: ..... "لا املک لکم من اللہ شیئا، سلوفی من مالی ما شئتم" دو عورتوں والی روایات ابوبکر بیہقی کی کتاب الدلائل سے نقل کی ہیں۔ اور دوسری روایات نقل کی ہیں جن میں وہ روایت بھی ہے جو مولانا شبلی، اول ص ۲۱۰ نے نقل کی ہے اور ابن کثیر نے نقد کرتے ہوئے اسے وضاع حدیث عبدالغفار بن قاسم ابو مریم کا کارنامہ بتایا ہے اور جس پر خود جامع سیرت النبی سید سلیمان ندوی نے بھی نقد کیا ہے ملاحظہ ہو ان کا حاشیہ ۱۔ روایت کا اصل حصہ صحیح ہے اس کا آخری حصہ شیعی وضاعِ حدیث کا الحاق ہے جس میں صرف حضرت علی کو آپ کا ساتھ دینے کا شرف دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو سید مودودی، سیرت سرور عالم، دوم ص ۴۹۵۔

(۷۹) ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۴۳۴ نے حضرت ابو الدرداء کی سند سے بخاری کی روایت نقل کی ہے "بلاشبہ اللہ نے مجھے مبعوث کیا تو تم نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہو اور ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی جان و مال سے میری مواسات کی..... یہ آپ نے دو بار فرمایا۔

(۸۰) ابن ہشام، اول ص ۴۸۲؛ ابن سعد، سوم، طبع بیروت ۱۹۵۷ء، ص ۱۷۲۔ ابن کثیر، دوم ص ۲۳۳-۵۔ سید مودودی سیرت، دوم ص ۲۲۴ نے بخاری، باب الہجرۃ اور طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے مفصل روایات نقل کی ہیں۔ ابن ہشام کی روایات میں روزانہ ایک بار صبح یا شام تشریف لے جانے کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایات میں دونوں وقت جانے کا ذکر ہے۔

(۸۱) ابن ہشام، اول ص ۴۸۵-۶؛ ابن سعد، سوم ص ۱۷۲-۳؛ ابن کثیر، دوم ص ۲۳۳-۴۰۔

شبلی نعمانی، اول ص ۲۶-۳؛ سید مودودی، سیرت، دوم ص ۳۲-۲۲،

حضرت ابوبکر کے خاندان میں حضرت اسماء، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر، ان کے مولیٰ حضرت عامر بن فہیرہ کی خدمات اور دلیل راہ عبداللہ بن اریقط کا ذکر آتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عام انتظامات کے علاوہ اونٹنی فراہم کی، زاد راہ حضرت اسماء و حضرت عائشہ نے فراہم کیا۔ غار ثور میں عبداللہ اور عامر کھانا پہنچاتے اور خبریں لاتے تھے۔

(۸۲) ابن سعد، سوم ص ۲۱۵ اور بخاری، صحیح، باب مناقب المہاجرین؛ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔

شبلی اول ص ۲۶۷ نے صرف حضرت زبیر کا یہاں ذکر کیا ہے۔

(۸۳) حضرات ابوذر غفاری، حمزہ، عمر بن خطاب اور کئی دوسرے حضرات کے قبول اسلام کے بارے میں دار ارقم کے قیام کا ذکر آتا ہے؛ ابن ہشام، اول ص ۳۴۴-۵؛ ابن سعد، سوم، حضرت عمر کا اسلام؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول ص ۴۴۲ وغیرہ نیز ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، اول ص ۲۲۵؛ سید مودودی، سیرت، دوم ص ۱۵۴-۵ — (۸۴) ابن ہشام، اول ص ۴۲۱ نیز شبلی نعمانی، اول ص ۳۴۴-۵؛ سید مودودی، سیرت دوم ص ۶۴۳-۵ — (۸۵) ابن ہشام، اول ص ۴۲۱ نیز سید مودودی، سیرت، دوم ص ۶۳۵-۶؛ شبلی، اول ص ۲۵۱۔